قرآن
اور اس کے مصنفین
سیّد امجد حسین
جرأتِ تحقیق
Jurat-e-Tehqiq
fb.com/JratThqyq
www.RealisticApproach.org
twitter.com/realisticappro

اور اس کے مصنفین

سیّد امجد حسین

پیشکش

جُرأتِ تحقیق

Jurat-e-Tehqiq

https://RealisticApproach.org

بتعاون

پاکستانی فری تھنکرز گروپ فیس بک

وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِنْ هَٰذَآ إِلَّآ إِفْكٌ ٱفْتَرَىٰهُ وَأَعَانَهُۥ عَلَيْهِ قَوْمٌ ءَاخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَآءُو ظُلْمًا وَزُورًا ۝ وَقَالُوٓاْ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ٱكْتَتَبَهَا فَهِىَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ قُلْ أَنزَلَهُ ٱلَّذِى يَعْلَمُ ٱلسِّرَّ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ من گھڑت باتیں ہیں جو اس نے بنالی ہیں۔ اور لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے۔ یہ لوگ ظلم اور جھوٹ پر (اتر) آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جس کو اس نے لکھ رکھا ہے اور وہ صبح و شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ کہہ دو کہ اس نے اس کو اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں ک وجانتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔(سورۃ الفرقان:4-6)

مندرجات

دیباچہ

شروع اللہ کے نام سے جو کفار مکہ کے متعدد دیوی دیوتاؤں میں سے ایک God/Godess of Moon (چاند دیوتا یا دیوی) ہوا کرتا تھا لیکن ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے وہ جب اسلام کے قالب میں داخل ہوا تو چاند محض اس کی ایک علامت بن کر رہ گیا جس کے مظاہر پرچم ہلالی سے لے کر قمری کلینڈر تک عیاں ہیں۔ شروع "اللہ" کے نام سے جس نے اپنی تین بیٹیوں "اللات"، "المنات" اور "العزیٰ" کے جوڑ سے "الف لام میم" خلق کیا اور شروع اس اللہ کے نام سے جو اپنی تعریف کرنے میں خود کفیل ہے۔

قرآن اور میرا رشتہ کافی پرانا ہے۔ اگرچہ میں نے مدرسے میں تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن ہمارے زمانے میں ابتدائی تعلیم قرآن ہی سے شروع ہوتی تھی۔ مولوی صاحب بلاناغہ آتے تھے اور درس قرآن دیا کرتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تعلیم رسمی تھی۔ کچھ سورتیں اور معوذتین حفظ کرادی جاتی تھیں جو نماز کی ادائیگی میں کام آتیں، اور بقیہ سورتیں رٹا دی جاتی تھیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ اس درس کا تعلق قرآن کے افہام و تفہیم سے قطعاً نہیں تھا، حتیٰ کہ اس کے ترجمے سے بھی نہیں۔ آج بھی مسلم معاشرے میں اسی قسم کا درس قرآن عام ہے۔ میں جمعہ کے خطبات اور گلی محلوں میں منعقد ہونے والے جلسوں میں شریک ہوتا تو علما کی تاویلات اور منقولات اوران کی تفسیر بالرائے سے دوسرے حاضرین مجلس کی طرح میرا جذبۂ ایمانی بھی تربتر ہو جاتا۔

یوں تو میرے والد کوئی خاص مذہبی شخص نہیں تھے لیکن انہیں اسلامی کتابوں کے مطالعہ کا ضرورت سے زیادہ شغف تھا۔ والدہ کے بار بار احتجاج کے باوجود وہ اپنی کمائی کا ایک بڑا حصہ ہر ماہ ان کتابوں کو خریدنے میں صرف کر دیتے تھے۔ کتابوں کا انتخاب بھی عمدہ تھا۔ تفسیر ابن کثیر، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن، صحاح ستہ، تاریخ طبری، سیرت ابن ہشام، احیا العلوم، غنیۃ الطالبین وغیرہ جیسی کتابوں سے میری پہلی ملاقات اپنے گھر پر ہی ہوئی۔

مجھے یاد ہے کہ آغاز میں اسلامی کتب کے مطالعے کا شوق مجھے برائے نام تھا۔ میں بیک وقت سائنس اور ادب کا طالب علم رہا ہوں، چنانچہ اس وقت میری دلچسپی کی جولان گاہیں مختلف تھیں۔ کالج پہنچا تو میری دلچسپی ادب کی جانب نسبتاً زیادہ ہوگئی اور پھر وہ بھی دن آ پہنچا جب میں نے

سائنس چھوڑ کر ادب کو مکمل طور پر اپنا لیا۔ دنیا بھر کا ادب چاٹ ڈالا، ہر زبان کے ادب کا مطالعہ کیا، دیسی بھی اور بدیسی بھی۔ لیکن میرے زاویۂ نظر میں انقلاب اس وقت آیا جب میں زبان و ادب کے تنقیدی مطالعے کی جانب راغب ہوا۔ لسانیات کی نکتہ سنجیاں اور ادب کا تجزیاتی مطالعہ میرے دائرۂ فکر اور میرے مزاج پر براہ راست اور بالواسطہ دونوں طریقے سے اثر انداز ہوئے جسے میں نے کافی دنوں بعد محسوس کیا۔ دھیرے دھیرے میرے مطالعے کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا، جس میں مختلف زبانوں کو جاننے اور سیکھنے کا عمل بھی شامل تھا۔ ہندی، انگریزی اور اردو تو میرے بچپن کے ساتھی تھے، لیکن بعد میں سنسکرت، عربی، فارسی اور فرانسیسی بھی میرے دوست بن گئے۔ یہاں ایک بات واضح کر دوں کہ میں نے یہ زبانیں کسی تجارتی یا معاشی مقاصد سے نہیں سیکھی تھیں بلکہ صرف ان زبانوں کے ادب کا براہ راست مطالعہ کرنے کی غرض سے میں نے یہ مہم سر کیا تھا۔ کسی بھی زبان کے ادب سے آپ اس وقت تک حقیقی لطف حاصل نہیں کر سکتے، جب تک اس زبان کے مبادیات، اصول و قواعد، اس کے تاریخی اور معاشرتی پس منظر اور اس کے مکمل کوائف سے واقف نہ ہوں۔ ظاہر ہے یہ کام جوکھم کا تھا جسے میں نے حسب استعداد پورا کرنے کی کوشش کی۔

لہٰذا، یہ میرے ذہنی اور فکری سفر کا اہم موڑ ثابت ہوا جب میں نے تنقیدی نظر سے نہ صرف ادب بلکہ ہر set of theory کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا، اس میں مذہب بھی شامل تھا۔ میں یہاں واضح کرتا چلوں کہ مغرب میں مذاہب عالم کا مطالعہ بطور علم کیا جاتا ہے، جب کہ مشرق میں بطور عقیدہ۔ ادبی تنقید نے مجھے سکھایا تھا کہ دنیا میں کوئی ایسی شے نہیں جو مکمل ہو اور کوئی بھی نظام فکر ایسا نہیں جو تنقید سے ماورا ہو۔ لہٰذا میں پوری خود اعتمادی کے ساتھ "اسلام" کے تنقیدی مطالعے کی جانب راغب ہوا۔ وہ تمام مآخذ اور بنیادی کتابیں جو اسلام کی اساس ہیں، ان کا تنقیدی مطالعہ شروع کر دیا۔ ان میں وہ کتابیں بھی شامل تھیں جنہیں میں اپنے والد کی لائبریری میں پہلے ہی پڑھ چکا تھا، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ اب زاویۂ مطالعہ مختلف ہو چکا تھا۔ اپنے تحفظات، معتقدات، تعصبات اور وہ تمام بندھن جو کسی بھی قاری کو طے شدہ نتائج تک پہنچانے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں، ان سے آزاد ہو کر میں نے تجسس، تشکیک اور تنقیدی شعور کے سہارے یہ سفر پورا کیا۔ لیکن یہاں میں بڑی بے شرمی کے ساتھ اعتراف کرنا چاہوں گا کہ یہ سفر میرے لیے اتنا آسان ثابت نہیں ہوا، جتنا میں نے اندازہ لگایا تھا۔ کئی بت ٹوٹے، کئی بار لڑکھڑایا، جھنجلایا، بال نوچے، گریبان چاک کیے، حیرت و استعجاب کے سمندر میں بار بار ڈوبا ابھرا، سوالات اور

استفسارات کے ناگ اپنے پھنوں سے مجھے مسلسل ڈستے رہے، کئی راتیں بے خوابی کی نذر ہو گئیں، ذہن نے جسم پر بھی اثر ڈالنا شروع کر دیا، کبھی تاویلات کا سہارا لیا تو کبھی منقولات کے تنکے کے سہارے کنارے لگنا چاہا لیکن لاحاصل۔ جب ساری تدبیریں کر چکا تو میں نے خود کو موجوں کی روانی کے سپرد کر دیا اور ایک ناقابل بیان لذت سے روشناس ہوا۔ میری ماہیت قلب ہو چکی تھی، جسے آپ "نروان" سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ خیر، یہ جملہ ہائے معترضہ میں نے محض اس لیے عرض کیا تاکہ قارئین کو میرے ذہنی سفر کے پس منظر کا تھوڑا بہت علم ہو جائے اور وہ اندازہ لگا سکیں کہ حقائق کا ادراک کئی مرحلوں سے گذر کر ہی ممکن ہے، کم از کم میرے ساتھ تو یہی ہوا۔

دنیا میں بے شمار چھوٹے اور بڑے مذاہب کا ہمیں علم ہوتا ہے جن میں سے بہت سارے ناپید ہو چکے، کچھ آخری سانسیں گن رہے ہیں اور معدودے چند اب بھی پوری آب و تاب کے ساتھ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ہماری معمولی سی تحقیق سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ ہر مذہب اپنا اصل و ماخذ رکھتا ہے۔ مذہب اسلام جو ان چودہ سو برسوں میں متعدد لوگوں کے دلوں اور عقلوں پر مسلط و قابض ہو چکا ہے، ضروری تھا کہ اس بات کا سراغ لگایا جائے کہ اس مذہب کا ماخذ و منبع کیا ہے۔ لیکن میرا یہ دعویٰ ہر گز نہیں ہے کہ اس جانب یہ پہلی کوشش ہے بلکہ اہل علم و دانش نے اپنے اپنے طور پر ایسے ایسے نقوش تحقیق چھوڑ رکھے ہیں کہ میں نے محض ان کا سرا پکڑ کر آگے بڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ چراغ سے چراغ جلتے ہیں۔ اس طویل عرصے میں کوئی ایسی دلیل ہمارے ہاتھ نہ لگی اور نہ ہی کوئی ایسا نشان ملا جس سے اس مذہب کا من جانب اللہ ہونا ثابت ہو سکتا ہو بلکہ دیکھا یہی گیا ہے کہ جن لوگوں نے گذشتہ زمانوں میں اس مذہب کو بغیر تحقیق و تفتیش کے اپنے بزرگوں کی تقلید میں اختیار کر لیا تھا، ان میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے قلب و نظر کی کھڑکیاں کھول رکھی ہیں اور جو تبدیلی اور اعتراف سے نہیں جھجکتے، وہ خفیہ اور اعلانیہ طور پر اس کھونٹے سے رسی تڑا کر آزاد ہو چکے ہیں۔ فکری غلامی سے آزاد ہونے کے اس عمل میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اس کی رفتار میں تیزی بھی آتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ محققین کی جانب سے جو پے در پے سوالات اٹھائے جاتے رہے ہیں، ان کا معقول جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مسلم علما و دانشوروں کی جانب سے جواب دینے کی کوشش ضرور کی گئی لیکن وہ کسی اہل عقل اور صاحب بصیرت کے لیے ناکافی ثابت ہوئیں۔ ان میں سے اکثر تحریریں یا تو محض دعوے پر مبنی تھیں یا پھر بلا حوالہ اور بے دلیل لفاظی پر مبنی تھیں جن میں یہ قابلیت ہی نہیں تھی کہ وہ کسی محقق کے شک و شبہ کو رفع کر سکے۔ اگرچہ ان

کتابوں کے مصنفین نے اپنے مذہب کے اثبات میں بہت زور مارا، اپنی جانب سے کوئی کسر بھی اٹھا نہیں رکھا لیکن افسوس کہ ان کا مبلغ علم ان کی قابل داد غیرت و حمیت کے برابر نہ تھا۔ میں نے بھی اپنے اس طویل مضمون میں مذہب اسلام کے حقیقی سرچشموں کی از سر نو سراغ لگانے کی سعی کی اور جہاں تک میری ناقص عقل و معلومات کو رسائی حاصل تھی، ہر چیز کو پرکھا اور تلاش کر کے اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دیا۔ مجھے داد و تحسین سے غرض نہیں، لیکن اگر اس کام کو میرے بعد آنے والی نسل کا کوئی صاحب بصیرت شخص آگے لے جاتا ہے اور ان تاریک گوشوں کو منور کرتا ہے جو اپنی کوتاہی کے سبب میں نہ کر سکا، تو سمجھوں گا کہ میں نے موضوع کا حق ادا کر دیا اور یہ اپنے آپ میں میرے لیے ایک گرانقدر اعزاز ہو گا۔

اب تک مسلمانوں کی جانب سے جتنی بھی تفہیم قرآن کی سعی کی گئی ہے، تمام اختلافات کے باوجود ان میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ وہ محض برکت و سعادت کی خاطر کی گئی ہے۔ اس کا دیگر کتابوں کی طرح تنقیدی مطالعہ کرنے کی نہ تو کسی نے اب تک جرأت کی ہے اور نہ ہی اس کتاب کے مضمرات کو کبھی چھانا پھٹکا گیا۔ زیادہ تر تفاسیر یا تو منقولات کا مجموعہ ہیں یا تاویلات کا، اور ان میں بھی بیشتر تفسیر بالرائے کی ذیل میں شمار ہوتی ہیں۔ آخر میں یہ واضح کر دوں کہ زیر نظر کتاب ان لوگوں کے لیے تو خیر ہے ہی نہیں، جو قرآن کا مطالعہ عقیدے کی سطح پر کرنے کے عادی ہیں، لیکن یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بھی نہیں ہے جو غور و فکر کی تکرار تو کرتے ہیں لیکن نتیجہ ہمیشہ طے شدہ چاہتے ہیں، یعنی وہ غور و فکر سے اپنے عقائد کو بھی مشروط کر دیتے ہیں۔ یہ کتاب ان معذرت خواہان اسلام کے لیے بھی نہیں ہے، جو محض اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے سیرت النبی، احادیث اور تاریخ اسلام کے انکاری ہیں اور اجتہادی تاویلات کو شافی و کافی سمجھتے ہیں۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، وہ علم کے جویا، ہر قسم کے تعصبات سے پاک، آزادانہ غور و فکر کے زائیدہ، کشادہ قلب اور وسیع النظر ہیں۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس موضوع پر انگریزی اور دوسری زبانوں میں تشفی بخش مواد موجود ہیں لیکن چونکہ اردو کا دامن اس طرح کے متنازعہ فیہ موضوعات سے خالی ہے، لہٰذا راقم الحروف کی اس سعی کو اردو داں طبقے کی خدمت سمجھا جائے، گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

سید امجد حسین

4 جون 2016

بدوی عقائد اور شاعری کے اثرات

سب سے پہلے میں اس بات سے کلی طور پر انکار کرتا ہوں کہ قرآن محض محمد کا brain child ہے، کیوں کہ ان کا مشاہدہ، تجربہ، علم اور فکر کا دائرہ کافی محدود تھا جسے ان کے مقربین اور احباب نے بوقت ضرورت پورا کیا۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کئی انسانوں کے تجربے، مشاہدے اور علم کا مشترکہ اثاثہ ہے۔ اور یہ علم بھی ایک مخصوص زمانے سے وابستہ ہے جو ازکار رفتہ ہو چکا ہے۔ لیکن قرآن کے ان تمام مصنفین اور معاونین پر گفتگو شروع کرنے سے قبل اس معاشرتی اور مذہبی پس منظر پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہے جو کافرانہ نظام پر مشتمل تھا۔ یہ وہ پس منظر ہے جو محمد کی پیدائش سے لے کر ان کی ذہنی تربیت تک پر اثر انداز ہوا۔ فی زمانہ بیشتر مسلمانوں کے حلق کے نیچے سے یہ یہ بات نہیں اترتی کہ محمد کے والدین کافر تھے اور وہ اپنے اجداد کے معبودوں کی پرستش ہی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اسی نظام کی تقلید بھی کرتے تھے۔ ہشام ابن الکلبی نے اپنی کتاب "کتاب الاصنام" (صفحہ 17) میں اس راز سے پردہ کچھ یوں اٹھایا ہے:

> اللہ کے رسول نے ایک بار العزیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، 'میں نے بھی العزیٰ کے سامنے ایک سفید بھیڑ قربان کیا تھا، جب میں اپنے لوگوں کے مذہب کا پیروکار تھا۔

ابتدا میں محمد کا رویہ کفار مکہ کے خداؤں (بتوں) کے لیے کافی نرم رہا۔ وہ بھی قریش کی طرح ان بتوں کو اللہ کا سفارش کنندہ سمجھتے تھے۔ واضح رہے کہ ان بتوں کو "اللہ کی بیٹیاں" تصور کیا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اللہ کے سامنے ان کی شفاعت کا سبب بنیں گی۔ لیکن پھر اللہ نے اپنے رسول کی جانب وحی بھیجی:

> أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَوٰةَ ٱلثَّالِثَةَ ٱلْأُخْرَىٰٓ ۝ أَلَكُمُ ٱلذَّكَرُ وَلَهُ ٱلْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰٓ ۝ إِنْ هِىَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَمَا تَهْوَى ٱلْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ ٱلْهُدَىٰٓ (النجم: 19-23)

بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔ اور تیسرے منات کو۔ کیا تمہارے لیے تو بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے۔ وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں۔ خدا نے تو ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ یہ لوگ محض ظن اور خواہشات نفس کے پیچھے چل رہے ہیں۔ حالاں کہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

اس کے علی الرغم، ان تینوں دیویوں سے محمد کی عقیدت کا حال یہ تھا کہ انہوں نے ایک بار قرآن کی آیت میں ان تینوں کی مدح تک کر دی۔ پوری تفصیل کچھ یوں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ رسول اللہ قریش کی اسلام سے بے رغبتی پر انتہائی افسردہ و غمگیں تھے، اور قریش کی جانب سے دعوت اسلام کو پذیرائی حاصل نہ ہونے پر سخت مایوس تھے، ان کے دل میں شدت سے یہ چاہت تھی کہ اللہ کی جانب سے کوئی ایسا کلام نازل ہو جو موحدین اور مشرکین کے درمیان دوری کو قربت میں تبدیل کر دے۔ ایک مرتبہ پیغمبر اسلام بیت اللہ میں قریش کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر اللہ کی جانب سے وحی کا نزول شروع اور آپ نے سورۃ النجم کی قرأت شروع کی اور جب ان آیات تک پہنچے:

افرأیتم اللات و العزیٰ و مناۃ الثالثۃ الاخریٰ

تو شیطان نے آپ صلعم کی زبان سے یہ الفاظ جاری کرا دیئے:

تلک الغرانیق العلیٰ و ان شفاعتھن لترتجی

یہ لات اور منات بہت بلند پایہ کے بت ہیں اور یقیناً
ان کی شفاعت بھی اللہ کے ہاں قبول کی جائے گی

مشرکین آپ کی زبان سے اپنے معبودین کے لیے یہ الفاظ سن کر انتہائی مسرور ہوئے۔ پیغمبر اسلام نے اپنی تلاوت مکمل کرنے کے بعد سجدۂ تلاوت کیا تو اس مجلس میں موجود تمام مشرکین بھی سجدہ ریز ہو گئے اور بیت اللہ میں موجود کوئی بھی مومن اور مشرک ایسا نہ بچا جو سجدہ ریز نہ ہوا ہو۔ اس مجلس میں موجود ولید بن مغیرہ اور ابو احیحہ سعید بن العاص دونوں انتہائی ضعیف تھے اور سجدہ کرنے پر قادر نہ تھے، اس

لیے دونوں نے زمین سے مشت بھر مٹی اٹھا کر پیشانی تک لے گئے اور اس پر سجدہ کیا۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور قریش کے لوگ بے حد خوش ہوئے کہ آج محمد نے پہلی بار قریش کے معبودین کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا اور انہوں نے کہا کہ آج ہمیں معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے، وہی رزق دیتا ہے اور تخلیق کرتا ہے اور ہمارے یہ معبود یعنی لات و منات اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے، پس اگر محمد ہمارے معبودوں کو ایسے بہتر الفاظ کے ساتھ یاد کرے گا تو ہم بھی اس کے ساتھ ہیں۔ پھر شام کو جبرائیل پیغمبر محمد کے پاس آئے اور کہا کہ اے محمد! آج تم نے کیا کیا؟ آج تم نے قریش کے سامنے وہ کلام تلاوت کیا جو تم پر اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوا تھا، یہ سن کر محمد بے حد غمگیں ہو گئے اور ان پر خشیت الٰہی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اللہ کو محمد پر رحم آیا اور محمد کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل کی:

وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ مِن رَّسُولٖ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنَّىٰٓ أَلۡقَى ٱلشَّيۡطَٰنُ فِيٓ أُمۡنِيَّتِهِۦ فَيَنسَخُ ٱللَّهُ مَا يُلۡقِي ٱلشَّيۡطَٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ ٱللَّهُ ءَايَٰتِهِۦۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٞ

اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا۔ تو جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے، خدا اس کو دور کر دیتا ہے۔ پھر خدا اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے۔ اور خدا علم والا اور حکمت والا ہے۔ (سورۃ الحج: 52)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکین مکہ نے کہا: "محمد ہمارے معبودوں کو اچھے الفاظ میں تذکرہ کرنے پر شرمندہ ہے، اس لیے اس نے اپنا کلام بدل لیا۔" (تفسیر بغوی، در تفسیر سورۃ الحج، آیت نمبر 52)

جب محمد نے بچپن کا آنگن چھوڑ کر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو وہ عکاظ کے سالانہ تقریبات میں شرکت کرنے لگے۔ وہ وہاں مجمع شعرا کی فصاحت و بلاغت، جذبات، آزاد خیالی اور انسان دوستی سے کافی متاثر ہوئے۔ یہ انہی شعراء کے فکری اثرات کا نتیجہ تھا جس کے تحت محمد کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ انہوں نے بت پرستی پر سوال اٹھانے شروع کر دیے اور خدائے واحد جو خالق حقیقی تھا، کی تبلیغ بھی کسی حد تک شروع کر دی۔ یہ تصور بالکل عیسائی اور یہودی تصور خدا کے مماثل تھا۔ "اللہ" جو کفار مکہ کے ہاں چاند کا خدا یعنی Moon God ہوا کرتا تھا(شاید

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں چاند کو ایک خصوصی اہمیت حاصل ہے، خواہ وہ پرچم ہلالی ہو یا مسجدوں کے گنبد پر ٹکا ہوا چاند ہو)، ان کا سب سے بڑا خدا کہلاتا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اللہ (اللہ اکبر) کے علاوہ اس کے نائبین مثلاً ہبل، لات، عزیٰ، منات وغیرہ کو بھی پرستش کا حقدار سمجھتے تھے۔ واضح رہے کہ اس وقت جادوگروں، نجومیوں، ساحروں حتیٰ کہ شیطان کے پجاری بھی اللہ کے آگے نذر پیش کیا کرتے تھے۔

اسی زمانے میں یمن کے باشندے جس خدا کی پرستش کیا کرتے تھے، اس کا نام "الرحمٰن" تھا۔ محمد نے اللہ کے لیے الرحمٰن کا نام یہیں سے لیا تھا۔ اتفاق سے یہ "الرحمٰن" تالمودی عہد میں یہودیوں کے ہاں لفظ "رحمانا" اللہ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ محمد کی چالاکی یہ تھی کہ انہوں نے "الرحمٰن" کا لفظ اللہ کے ساتھ منسوب کر کے کفاروں کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے لیے بھی اپنے نئے مذہب کو پرکشش بنانے کی کوشش کی۔

چنانچہ جب محمد نے خود کو الرحمٰن کا پیغمبر اعلان کیا تو اہل مکہ پس و پیش میں پڑ گئے، کیوں کہ وہ الرحمٰن سے واقف نہیں تھے۔ محمد کے اس دعوے کی تصدیق کے لیے اہل قریش نے اپنا ایک وفد مدینہ کے یہودیوں کے پاس بھیجا، کیوں کہ ان کے خیال میں الرحمٰن یمن یا یمامہ کے لوگوں کا خدا تھا۔ طبقات ابن سعد میں یہ پورا واقعہ کچھ یوں ہے:

> ابن عباس سے مروی ہے کہ قریش نے النصر بن الحارث بن علقمہ اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کو یہود یثرب کے پاس بھیجا اور ان لوگوں سے کہا تم ان سے محمد کو دریافت کرو۔ یہ لوگ مدینہ آئے اور کہا، ہم لوگ تمہارے پاس ایک ایسے امر کیلئے آئے ہیں جو ہم میں پیدا ہو گیا ہے۔ ہمارا ایک یتیم حقیر لڑکا بہت بڑی بات کہتا ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ رحمٰن کا پیغمبر ہے، ہم سوائے رحمٰن یمامہ کے اور کسی کو رحمان نہیں پہچانتے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم سے اس کی صفت بیان کرو۔ صفت بیان کی تو پوچھا، تم میں سے کسی نے اس کی پیروی کی؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے ادنیٰ ترین لوگوں نے۔ ان میں سے ایک عالم ہنسا اور کہا؛ یہی وہ نبی ہیں جن کی نعت وصفت ہم پاتے ہیں اور ان کی قوم کو ان کا سخت دشمن پاتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد، حصہ اول، ص 183)

اگر ہم تعصب و عقیدت کی عینک نکال کر قرآن کا مطالعہ کریں تو نزولی اعتبار سے پہلی پچاس سورتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر اسلام اللہ، الرحمٰن اور رب کے درمیان کس منتشر

المزاجی کا شکار تھے۔ وہ طے نہیں کر پارہے تھے کہ انہیں کسے اپنے خدا (الہ) کے طور پر قبول کرنا چاہئے۔ ان مخصوص پچاس سورتوں کے نمبر نیچے لکھے جارہے ہیں، آپ بغور ان کا مطالعہ کریں تو حقیقت عیاں ہو جائے گی:

صرف رب: 68, 92, 89, 94, 100, 108, 105, 114, 97, 106, 75 (گیارہ سورتیں)

الرحمٰن، رب: 55, 36 (دو سورتیں)

الرحمٰن، اللہ، رب: 20

اللہ، رب: 96, 73, 74, 81, 87, 53, 85, 50, 38, 7, 72, 25, 35, 56, 26, 27, 28, 17 (اٹھارہ سورتیں)

خود قرآن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ کہ جب محمد نے اپنے عقائد کو لوگوں سے متعارف کرایا تو وہ مذہب کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتے تھے، حتیٰ کہ وہ خود پس و پیش میں مبتلا تھے۔ ملاحظہ فرمائیں:

اور آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا، پھر راستہ بتایا۔(93:7)

ہم تیرے پاس بہت اچھا قصہ بیان کرتے ہیں اس واسطے کہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن بھیجا ہے اور تو اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں سے تھا۔(12:3)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے اور لیکن ہم نے قرآن کو ایسا نور بنایا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک آپ سیدھا راستہ بتاتے ہیں۔(42:52)

اب ہم اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا کہ محمد نے کیسے اپنے نئے نویلے مذہب کی بنیاد ڈالی؟ اسی سوال کی ڈور پکڑ کر آپ ان تمام لوگوں تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں جنہیں محمد کے مذہب کا بنیاد گذار بھی کہا جا سکتا ہے اور معمار بھی۔ لیکن اس سے بھی پہلے میں کچھ اصولی بات کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرا مطمع نظر اور نفس موضوع دونوں کو سمجھنے میں دشواری نہ پیش آئے۔

دوسروں کے کلام کا سرقہ دو طرح سے عمل میں آتا ہے اور یہ دونوں اقسام سرقہ کے ہی ذیل میں آتے ہیں۔ اول یہ کہ دوسروں کا کہا ہوا کلام من و عن اور لفظ بہ لفظ بالکل اسی طرح بیان

کر دیا جائے اور اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہ ہو۔ سرقہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ نقل بالمعنی ہوتا ہے اور دوسروں کے مطالب کو اپنی عبارت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ حکایتیں اور قرآنی قصے اسی دوسری قسم میں سے ہیں۔ غور طلب امر یہ ہے کہ نقل بالمعنی کی ضرورت یا تو اسی لیے لاحق ہوتی ہے کہ سننے والا بولنے والے کے الفاظ کو بوجہ نقص حافظہ تمام و کمال ضبط نہیں کر پاتا اور صرف نفس مضمون اس کو یاد رہتا ہے جس کو وہ مجبوراً اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے، ورنہ اگر کوئی شخص اس بات پر قادر ہو کہ دوسروں کی کہی ہوئی بات بجنسہ بیان کر سکے تو ہرگز نقل بالمعنی کو اختیار نہ کرے گا، تاوقتیکہ کوئی کلام بہت طویل ہو جس کا محض خلاصہ وحاصل مطلب اس کو بیان کرنا مقصود ہو۔ نقل بالمعنی کی ضرورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب بولنے والا ایک زبان میں کلام کرے اور نقل کرنے والا دوسری زبان میں اس کا ترجمہ کرے۔ چنانچہ قرآن میں اگر فرعون کا کلام نقل ہوا یا موسیٰ یا دوسرے لوگوں کا، تو یہ روا ہے لیکن اگر خاص اہل عرب کا یا خاص الخاص قریش کا کوئی مختص کلام نقل کرنا ہو تو یہ روا نہیں کہ بولنے والے کے الفاظ میں تصرف کیا جائے۔ اگر قرآن خدا کا کلام ہے تو پھر خدا کو تو نقص حافظہ ہو نہیں سکتا، چنانچہ نقل بالمعنی کی ضرورت تو یہاں سرے سے ختم ہو جاتی ہے اور ہم ہرگز یہ توقع نہیں کریں گے کہ قرآن میں اہل عرب کے کلام کو نقل بالمعنی استعمال کیا گیا ہو۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ نقل بالمعنی رسول اللہ نے کی (لیکن ایسا کہنا بھی غلط ہے کیوں کہ قرآن تو پورے کا پورا لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے) تو پھر جواباً یہ کہا جائے گا کہ اس سے اعجاز کا مسئلہ باطل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ بشر تھے اور جو کچھ انہوں نے کہا وہ طاقت بشری کے اندر تھا۔ چنانچہ اگر یہ کلام بھی مثل دیگر قرآن کے بے مثل اور اعجازی ہے تو کلام بشر کلام خدا کے برابر ہو گیا یعنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے خدا اور بشر کے کلام میں کوئی مابہ الامتیاز باقی ہی نہ رہا۔ خیر یہ ایک طویل بحث ہے، وقت ملا تو اس پر کبھی لکھنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ فی الحال آیئے ہم درج بالا اصول کی روشنی میں قرآن کے مصنفین پر نظر ڈالتے ہیں۔

امرؤ القیس ابن حجر الکندی:

جو لوگ تاریخ عرب سے واقف ہیں، وہ میری اس بات کی تائید کریں گے کہ قدیم عربی معاشرے میں شاعری کی قدر و منزلت کافی تھی اور شاعر کا درجہ کافی بڑا تھا، حتیٰ کہ اسے خدا کی دوسری آواز متصور کیا جاتا تھا۔ ایک ریگستانی علاقہ جو تفریح اور دیگر قدرتی زرخیزی سے محروم تھا، شاعری کی جادو بیانی وہاں کے باشندوں کی جذباتی ترجمان بن گئی۔ امن، سکون، انتقام اور جنگ

سارے مرحلوں پر شاعری عربوں کی ذہنی خوراک تھی۔ شاعری کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کعبہ کے دیواروں کی زینت بنی جسے ہم معلقات کے نام سے جانتے ہیں۔ ان سات اہم شاعروں میں جن کی شاعری معلقات کا حصہ تھی، ان میں سب سے زیادہ معروف امراؤالقیس ابن حجر الکندی ہوا، جسے آج بھی کلاسیکل عربی شاعری کا بادشاہ تصور کیا جاتا ہے۔

امراؤالقیس محمد کی پیدائش سے چند دہائیوں پہلے مر چکا تھا۔ مورخین کے مطابق اس کی سن پیدائش 526 عیسوی کے آس پاس ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد یونانیوں نے اس کا ایک مجسمہ اس کے مقبرے پر نصب کیا تھا جو 1262 عیسوی تک موجود تھا اور اب انقرہ (ترکی) میں موجود ہے۔ اسی طرح اس کی موت کے بارے میں محققین کا اندازہ ہے کہ 561 اور 565 عیسوی کے درمیان واقع ہوئی۔ اسے بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا، حالاں کہ اس کے والد جو باشاہ وقت تھے اسے پسند نہیں کرتے تھے، ان کے مطابق شاعری جیسی چیز کسی شاہزادے کے شایان شان نہیں ہے۔ اختلاف کی دوسری وجہ امراؤالقیس کا عاشقانہ مزاج بھی تھا۔

محمد خود امراؤالقیس کی شاعری کے مداح تھے۔ حالانکہ یہ پتہ نہ چل سکا کہ وہ اس کی شاعری کے مداح تھے یا اس کی مقبولیت سے متاثر تھے، کیوں کہ امرؤالقیس کے اشعار زبان زد خاص و عام تھے۔ بہر حال اگر قرآن کی کچھ ابتدائی آیات میں امراؤالقیس کی شاعری کا رنگ مل جاتا ہے تو کسی کو متعجب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

امراؤالقیس کا ایک قصیدہ ہے جس کے کچھ اشعار پیش خدمت ہیں:

دنت الساعة وانشق القمر   عن غزال صاد قلبي ونفر

أحورٌ قد حِرتُ في أوصافه   ناعس الطرف بعينيه حوَر

مرّ يوم العيد بي في زينة   فرماني فتعاطى فعقر

بسهامٍ من لحاظٍ فاتك   فرَّ عنّي كهشيم المحتظر

وإذا ما غاب عني ساعة   كانت الساعة أدهى وأمر

كُتب الحُسن على وجنته   بسحيق المسك سطراً مختصر

عادةُ الأقمارِ تسري في الدجى   فرأيتُ الليل يسري بالقمر

بالضحى والليل من طرته   فرقه ذا النور كم شيء زهر

قلت إذ شقّ العذار خده   دنت الساعة وانشق القمر

پہلے شعر کا پہلا مصرعہ سورۃ القمر (54:1) میں آیا ہے: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ
تیسرے شعر کا دوسرا مصرعہ بھی سورۃ القمر (54) کی آیت 29 میں آیا ہے: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ۔
چوتھے شعر کا دوسرا مصرعہ بھی اسی سورہ کی آیت 31 میں آیا ہے: فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ
آٹھویں شعر کا پہلا مصرعہ سورۃ الضحیٰ کی آیات 1 اور 2 میں آیا ہے: وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ
یہ بھی امرؤالقیس ہی نے کہا تھا:

أقبــــل والعشـــــاق مـــــن خلفــــه	كــأنهم مـــن كــل حـــدب ينســــلون
وجـــــاء يــــوم العيـــــد في زينتـــــه	لـــــمثل ذا فـــــليعمل العامــــــلون

پہلے شعر کا پہلا مصرعہ سورۃ الانبیاء (21) کی آیت 96 میں نقل کیا گیا ہے: حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ اور دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ سورۃ الصافات (37) کی آیت 61 میں یوں نقل کیا گیا ہے: لِمِثْلِ هٰذا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ۔
امراؤالقیس کے مزید اشعار:

إذا زلزلـــــــــــت الأرض زلزالهـــــــــا	وأخرجـــــــــت الأرض أثقالهـــــــــا
تقـــــوم الأنـــــــام عــــــلى رسلــــــها	ليـــــوم الحســــاب تـــــرى حالــــــها
يحاسبـهـــــــــا ملـــــــك عـــــــادل	فإمـــــا عليهـــــا وإمـــــا لهـــــا

اگر درج بالا اشعار کی قرأت سے آپ کو قرآن کی کچھ آیات یاد آجائیں تو دریائے حیرت میں غوطہ زن نہ ہوں۔ سورۃ القمر کی پہلی آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے Clair-Tisdall اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

> یہ اس زمانے کا رواج تھا کہ وہ اپنی تخلیقات کو کعبہ پر لٹکا دیا کرتے تھے جنہیں ہم سبع معلقات کے نام سے جانتے ہیں۔ روایت ہے کہ پیغمبر کی بیٹی فاطمہ ایک روز مذکورہ آیت دہراتے ہوئے گذر رہی تھی۔ اسی وقت اس کی ملاقات امراؤالقیس کی بیٹی سے ہوئی جو روتے ہوئے کہنے لگی "ہائے! یہ تو میرے باپ کی نظم کا ایک ٹکڑا ہے جسے تمہارے باپ نے چرا کر اسے خدا کا کلام بنا دیا" یہ واقعہ پورے عرب میں حتیٰ کہ اب تک لوگوں کی زبان پر موجود ہے۔

لیکن یہ واقعہ مجھے فرضی محسوس ہوتا ہے کیوں کہ امراؤالقیس کی بیٹی اور فاطمہ کی عمر کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے۔

زید بن عمرو بن نفیل

محمد کے دور میں، ایک مذہبی تحریک، بت پرستی کے متبادل کے طور پر ابھر رہا تھا۔ اس تحریک کی سربراہی اس دور کے کچھ تجدد پسند کر رہے تھے۔ یہ تحریک بت پرستی کو خارج کرتی تھی اور اس کی جگہ روحانی ضرورتوں کے تحت کسی علاحدہ مذہب کی جستجو میں تھی۔ انہیں "حنیف" (Hanfis) کہا جاتا تھا جس کے معنی "گمراہ یا بھٹکا ہوا" (بمعنی مرتد) تھا۔ بعد میں محمد نے اس لفظ (یعنی حنیف) کا "دین ابراہیمی" اور پھر "موحد" جیسے نئے معانی میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ابن اسحاق کے مطابق محمد کے دور میں درج ذیل معروف مرتد (حنیف) مکہ میں موجود تھے:

1. ورقہ بن نوفل: بعد میں عیسائی بن گیا۔
2. عبید اللہ بن جحش: حبشہ منتقل ہونے کے بعد وہ عیسائی بن گیا۔ اس کی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان تھی جو بعد میں محمد کی بیوی بنی۔
3. عثمان بن الحویرث: یہ بعد میں باز نطینی بادشاہ کے پاس چلا گیا اور عیسائیت قبول کر لی۔
4. زید بن عمرو بن نفیل: اس نے ارتداد چھوڑ کر ابراہیمی خدا کی عبادت شروع کر دی۔

ورقہ بن نوفل، محمد کی پہلی بیوی خدیجہ کا چچازاد بھائی تھا۔ کچھ روایات کے مطابق وہ پہلے یہودی تھا، بعد میں اس نے عیسائیت قبول کی۔ عبید اللہ، عبدالمطلب کا پوتا تھا اور عثمان بن الحویرث کو شام کی باز نطینی عدالت میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز کیا گیا۔ صرف زید بن عمرو بن نوفل ہی ایک ایسا شخص تھا جو اپنے مذہب "حنیفیت" پر قائم رہا۔ اس کا دعویٰ تھا: "میں ابراہیمی خدا کی پرستش کرتا ہوں" لیکن اس کے لوگوں نے اس پر الزام عائد کیا کہ وہ شیطان کا پجاری ہے۔

> موسیٰ نے بیان کیا، ان سے سالم بن عبد اللہ نے بیان کیا اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے یہ ابن عمرؓ سے بیان کیا تھا کہ زید بن عمرو بن نفیل شام گئے دین (خالص) کی تلاش میں نکلے، وہاں وہ ایک یہودی عالم سے ملے تو انہوں نے ان کے دین کے بارے میں پوچھا اور کہا ممکن ہے کہ میں تمہارا دین اختیار کر لوں اس لیے تم مجھے اپنے دین کے متعلق بتاؤ یہودی عالم نے کہا کہ ہمارے دین میں تم اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم اللہ کے غضب کے ایک حصہ کے لیے تیار نہ ہو جاؤ، اس پر

زیدؓ نے کہا کہ واہ میں اللہ کے غضب ہی سے بھاگ کر آیا ہوں، پھر اللہ کے غضب کو میں اپنے اوپر کبھی نہ لوں گا اور نہ مجھ کو اسے اٹھانے کی طاقت ہے! کیا تم مجھے کسی اور دوسرے دین کا کچھ پتہ بتا سکتے ہو؟ اس عالم نے کہا میں نہیں جانتا (کوئی دین سچا ہو تو دین حنیف ہو)۔ زید نے پوچھا دین حنیف کیا ہے؟ اس عالم نے کہا کہ ابراہیمؑ کا دین جو نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی اور وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ زید وہاں سے چلے آئے اور ایک نصرانی پادری سے ملے، ان سے بھی اپنا خیال بیان کیا اس نے بھی یہی کہا کہ تم ہمارے دین میں آؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں سے ایک حصہ لو گے۔ زید نے کہا میں اللہ کی لعنت سے ہی بچنے کے لیے تو یہ سب کچھ کر رہا ہوں اللہ کی لعنت اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں اور نہ میں اس کا یہ غضب کس طرح اٹھا سکتا ہوں! کیا تم میرے لیے اس کے سوا کوئی اور دین بتلا سکتے ہو؟ پادری نے کہا کہ میری نظر میں ہو تو صرف ایک دین حنیف سچا دین ہے زید نے پوچھا دین حنیف کیا ہے؟ کہا کہ وہ دین ابراہیم ہے جو نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی اور اللہ کے سوا وہ کسی کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ زید نے جب دین ابراہیم کے بارے میں ان کی یہ رائے سنی تو وہاں سے روانہ ہو گئے اور اس سر زمین سے باہر نکل کر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور یہ دعا کی اللّٰھم إني أشھد أني علی دین إبراھیم (اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں)۔[صحیح بخاری، 3827]

ابن اسحاق کے مطابق زید بن عمرو بن نفیل کعبہ کے سامنے جاتا تو کہتا؛

لبیک حقاً حقاً تعبّدًا ورِقاً عُذتُ بِما عاذبه ابراھیم مستقبل الکعبة

(عجز و انکسار کے ساتھ حاضری غلامانہ ذلت کے ساتھ حاضری واقعی تیرے ہی دربار کی حاضری ہے۔ میں اس ذات کی پناہ کا طالب ہوں جس کی پناہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ابراہیم نے طلب کی تھی۔) [ابن ہشام، حصہ اول، 232]

بہت سارے پرانے رسوم جن کے قلع قمع کا سہرا مسلمان محمد کے سر باندھتے ہیں، دراصل وہ ان سے کافی پہلے زید بن عمرو بن نفیل کے احتجاج کا نمونہ تھے:

اور لیث بن سعد نے کہا کہ مجھے ہشام نے لکھا، اپنے والد (عروہ بن زبیر) سے اور انہوں نے کہا کہ ہم سے اسماء بنت ابی بکرؓ نے بیان کیا کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ سے اپنی پیٹھ لگائے ہوئے کھڑے ہو کر یہ کہتے سنا، اے قریش کے لوگو! اللہ

کی قسم میرے سوا اور کوئی تمہارے یہاں دین ابراہیم پر نہیں ہے اور زید بیٹیوں کو زندہ نہیں گاڑتے تھے اور ایسے شخص سے جو اپنی بیٹی کو مار ڈالنا چاہتا کہتے اس کی جان نہ لے اس کے تمام اخراجات کا ذمہ میں لیتا ہوں، چنانچہ لڑکی کو اپنی پرورش میں رکھ لیتے جب وہ بڑی ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے اب اگر تم چاہو تو میں تمہاری لڑکی کو تمہارے حوالے کر سکتا ہوں اور اگر تمہاری مرضی ہو تو میں اس کے سب کام پورے کر دوں گا۔ (صحیح بخاری، 3828)

زید بتوں کے آگے جانوروں کی قربانی پیش کرنے کا بھی قائل نہ تھا، جب کہ اس وقت تک اس معاملے میں رسول اللہ پس و پیش میں تھے، جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے عزیٰ کے آگے جانوروں کی قربانی تک پیش کی تھی۔ اب ذرا صحیح بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

مجھ سے محمد بن ابی بکر نے بیان کیا، کہا ہم سے فضیل بن سلیمان نے بیان کیا، ان سے موسیٰ نے بیان کیا، ان سے سالم بن عبد اللہ نے بیان کیا اور ان سے عبد اللہ بن عمرؓ نے کہ نبی کریم ﷺ کی زید بن عمرو بن نفیلؓ (وادی) بلدح کے نشیبی علاقہ میں ملاقات ہوئی، یہ قصہ نزول وحی سے پہلے کا ہے، پھر نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک دستر خوان بچھایا گیا تو زید بن عمرو بن نفیل نے کھانے سے انکار کر دیا اور جن لوگوں نے دستر خوان بچھایا تھا ان سے کہا کہ اپنے بتوں کے نام پر جو تم ذبیحہ کرتے ہو میں اسے نہیں کھاتا میں تو بس وہی ذبیحہ کھایا کرتا ہوں جس پر صرف اللہ کا نام لیا گیا ہو، زید بن عمرو قریش پر ان کے ذبیحے کے بارے میں عیب لگایا کرتے اور کہتے تھے کہ بکری کو پیدا تو کیا اللہ تعالیٰ نے، اسی نے اس کے لیے آسمان سے پانی برسایا ہے اسی نے اس کے لئے زمین سے گھاس اگائی، پھر تم لوگ اللہ کے سوا دوسرے (بتوں کے) ناموں پر اسے ذبح کرتے ہو۔ زید نے یہ کلمات ان کے ان کاموں پر اعتراض کرتے ہوئے اور ان کے اس عمل کو بہت بڑی غلطی قرار دیتے ہوئے کہے تھے۔ (صحیح بخاری، 3826)

واضح رہے کہ بتوں کے سامنے پیش کی جانے والی قربانی کے گوشت کو کھانے پر رسول اللہ کو اعتراض نہیں تھا بلکہ زید بن عمرو بن نفیل نے انکار کیا۔

ابن اسحاق نے کہا مجھ سے ہشام بن عمرو نے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنی والدہ اسما بنت ابی بکر سے روایت بیان کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں

نے زید بن عمرو بن فیل کو بہت بڑھاپے کی حالت میں دیکھا ہے۔ اپنی پیٹھ کو کعبہ کا سہارا دیے ہوئے کہتے تھے، اے گروہ قریش اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں زید بن عمرو کی جان ہے، آج میرے سوا تم میں کا کوئی شخص دین ابراہیم پر نہیں رہا ہے۔ پھر وہ کہتے یا اللہ! میں جانتا کہ کون سا طریقہ تجھے زیادہ پسند ہے تو اسی طریقے کے موافق میں تیری پرستش کرتا۔ لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر وہ اپنی ہتھیلیوں پر سجدہ کرتے۔ (ابن ہشام، جلد صفحہ 225)

ابن اسحاق کے مطابق زید بن عمرو بن نفیل نے مکہ سے نکل جانے کا ارادہ کر لیا تھا تا کہ وہ دین ابراہیم کی طلب میں مسافروں کی طرح گھومتا رہے۔ الخطاب بن نفیل (خلیفہ دوم عمر بن خطاب کے والد) اس کا چچا بھی تھا اور مادری بھائی بھی۔ اپنی قوم کے دین کو چھوڑنے پر وہ اسے ہمیشہ لتاڑا کرتا تھا۔

الخطاب نے زید کو بہت تکلیف دی، یہاں تک کہ ان کو مکہ کی سطح مرتفع کی جانب شہر بدر کر دیا۔ وہ مکہ کے مقابل حرا میں اتر پڑے اور خطاب نے ان کے پیچھے قریش کے نوجوانوں اور جاہلوں کو لگا دیا اور ان سے کہہ دیا کہ اس کو مکہ میں داخل ہونے نہ دو۔ پس وہ مکہ میں چوری چھپے کے سوا داخل نہ ہوتے اور جب ان میں سے کسی کو اس کی خبر ہوتی تو وہ الخطاب کو خبر کر دیتے اور وہ سب مل کر انہیں وہاں سے نکال دیتے اور انہیں تکلیفیں پہنچاتے کہ کہیں وہ ان کا دین نہ بگاڑ دیں اور کہیں ان میں سے کوئی الگ ہو کر ان کا پیرو نہ بن جائے۔ (سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 232)

درج بالا عبارت غور سے پڑھیں، زید مکہ کے ایک غار میں جا کر پرستش کیا کرتا تھا، چنانچہ اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ محمد جو اکثر اسی غار میں غور و فکر اور مراقبے کے لیے جایا کرتے تھے، اس کے دائرۂ اثر میں تھے۔

بہر حال، زید نے اپنی اس انقلابی تحریک کو جاری رکھا اور یہی تحریک اس کی موت کی وجہ بھی بنی۔ بنی لخم کی بستیوں کے لوگوں نے حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنے مذہب حنیفیت پر ثابت قدم رہنے کے سبب اہل قریش نے زید بن عمرو بن نفیل کو مکہ بدر کر دیا تھا، حتیٰ کہ اسے ہر سماجی مراعات سے محروم کر دیا گیا تھا، چنانچہ اسے غار حرا میں سکونت لینے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ دوسری جانب محمد اپنی تنہائی کا غم غلط کرنے کے لیے اسی غار حرا میں آتے جاتے رہتے تھے۔ ابن اسحاق ہمیں بتاتا ہے کہ جبرائیل

اکثر اسی غار حرا میں محمد سے ملنے آیا کرتا تھا۔ محمد نے خود کئی جگہ یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ کئی موقعوں پر ان کی جبرائیل سے انسان کے روپ میں بھی ملاقات ہوئی۔ اغلب ہے کہ انہوں نے زید بن عمرو بن نفیل جو اسی غار میں چھپا ہوا تھا، اسے جبرائیل سمجھا ہو اور اس سے "حنیفیت" کے عقائد کے متعلق ابتدائی تعلیمات حاصل کی ہوں۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ زید نے محمد کو اپنی شاعری اور تعلیمات پڑھنے (اور لکھنے) کی تعلیم بھی دی ہو جو بعد میں قرآنی آیات کی شکل میں رونما ہوئیں۔ ان تعلیمات کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ زید کے محولہ بالا عقائد اور اقوال سے واضح ہے کہ کچھ سورتیں زید کی نتیجۂ فکر ہیں (تقریباً 30 سورتیں، لیکن chronological ترتیب میں نہیں)، بطور خاص وہ سورتیں جن میں دین ابراہیمی کا ذکر ہے لیکن چونکہ اردو مترجمین نے ڈنڈی مارتے ہوئے لفظ "حنیف" یا "حنیفیت" کو اپنے عقیدے کے اعتبار سے استعمال کیا ہے، اس لیے میں نے بہتر سمجھا کہ عربی متن بھی شامل کر دیا جائے تاکہ قارئین خود اندازہ لگا لیں کہ یہ تعلیم الٰہی نہیں بلکہ درس زید بن عمرو بن نفیل ہے:

وَقَالُوا۟ كُونُوا۟ هُودًا أَوْ نَصَـٰرَىٰ تَهْتَدُوا۟ ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَٰهِـۧمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے رستے پر لگ جاؤ۔ کہہ دو (نہیں)، بلکہ (ہم) دین ابراہیم (اختیار کیے ہوئے ہیں) جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (البقرۃ:135)

مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَـٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ

ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (خدا) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرماں بردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے (آل عمران:67)

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
وَٱتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَٱتَّخَذَ ٱللَّهُ إِبْرَٰهِيمَ خَلِيلًا

اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو تھے اور خدا نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔ (النساء:125)

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

کہہ دو کہ مجھے میرے پروردگار نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے مذہب ابراہیم کا جو ایک (خدا) ہی کی طرف کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (الانعام:161)

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

سب سے یکسو ہو کر میں اپنے منہ کو اسی کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان اور زمین بنائی اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔(الانعام:79)

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

بے شک ابراہیم ایک پوری امت تھا، اللہ کا فرمانبردار، تمام راہوں سے ہٹا ہوا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔(النحل: 120)

وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

اور یہ بھی کہ یک سو ہو کر دین کی طرف رخ کیے رہو اور مشرکوں میں نہ ہو۔(یونس: 105)

حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ
أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ

خاص اللہ کے ہو کر رہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا اڑا کر کسی دو جگہ پھینک دیتی ہے۔(الحج:31)

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (البینۃ:5)

اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں ایک رخ ہو کر، خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی محکم دین ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِى فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (الروم:30)

تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو)، خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین اور لوگ اکثر نہیں جانتے۔

جیسا کہ ابتدا میں ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ اس زمانے میں لفظ "حنیف" کے معنی مرتد اور بھٹکا ہوا تھا لیکن محمد نے چالا کی سے اسے موحد اور سیدھے راستے پر چلنے والا قرار دے دیا۔ ایک بار میں آپ سے درخواست کروں گا کہ درج بالا آیات کے عربی متون کا اردو ترجمے سے موازنہ کریں تو آپ کو علم ہو جائے گا کہ مسلمانوں نے اس لفظ کی کیسی کیسی خود ساختہ تعبیریں پیش کی ہیں۔ یہ بھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ زید، محمد کے اعلان نبوت سے کافی پہلے لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے کا کتنا بڑا مخالف تھا، جس پر بعد میں محمد نے مہر الٰہی ثبت کر کے اس کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کر لیے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِٱلْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُۥ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ

حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اسکا منہ (بسبب غم) کالا پڑ جاتا ہے اور (اسکے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہناک ہو جاتا ہے۔ (النحل:58)

وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَوْلَٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔ (کیوں کہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے (بنی اسرائیل:31)

وَإِذَا ٱلْمَوْءُۥدَةُ سُئِلَتْ ۞ بِأَىِّ ذَنۢبٍ قُتِلَتْ (التکویر:8-9)

اور جب لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی ہو، پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی۔

ظاہر ہے کہ محولہ بالا تمام آیات زید کے افکار کا چربہ ہیں یا پھر ممکن ہے کہ خود زید نے ان سورتوں کو لکھا بھی ہو۔ زید کی موت کے بعد محمد نے انہیں اللہ کا کلام بنا کر اپنے نام کر لیا۔ یہ تمام

حوالے اس حقیقت کی جانب واضح ثبوت ہیں کہ محمد نے زید کے افکار ہی نہیں بلکہ اس کے تصورات، عقائد، حتیٰ کہ اس کی شاعری اور اسلوب کا بھی سرقہ کیا۔ نموناً زید کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں تا کہ اس سلسلے میں کوئی اشکال ہی باقی نہ رہے ؏

أربا واحدا أم ألف رب أدين إذا تقسمت الأمور

جب حکومتیں تقسیم ہو گئیں تو میں ایک ہزار رب کی پرستش کروں یا ایک پروردگار کی

عزلت اللات والعزي جميعاً كذلك يفعل الجلد الصبور

میں نے لات اور عزیٰ سب کو چھوڑ دیا۔ قوت والا اور مستقل مزاج شخص ایسا ہی کرتا ہے

فلا عزّي أدين ولا ابنتيها ولا صنمي بنى عمرو أزور

پس میں نہ عزیٰ کی پوجا کرتا ہوں نہ اس کی دونوں بیٹیوں کی اور نہ میں بنی عمرو کے دونوں بتوں کی زیارت کرتا ہوں۔

ولا غنما أدين وكان ربا لنا في الدهر إذ حلمي يسير

اور نہ غنم (بت) کی پوجا کرتا ہوں جو اس زمانے میں میرا ربّ تھا جبکہ میری عقل کم تھی

عجبت وفی اللیالی معجبات وفی الأيام يعرفها البصير

مجھے تعجب ہوا اور دیکھو تو دن رات میں بہت سی حیرت انگیز چیزیں ہیں جن کو آنکھ والا ہی پہچانتا ہے۔

بأن الله قد أفنى رجالاً كثيرا كان شأنهم الفجور

کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے لوگوں کو فنا کر ڈالا جن کی حالت سر تا پا نافرمانی تھی

وأبقى آخرين ببرّ قوم فيربل منهم الطفل الصغير

اور دوسرے بہتوں کو بعضوں کو نیکی کے سبب سے باقی رکھا کہ ان میں کے چھوٹے چھوٹے بچے نشو و نما پاتے اور تعداد میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

وبينا المرء يعثر ثاب يوما كما يتروّح الغصن المطير

اور ایسے حال میں کہ آدمی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے، کسی دن اس کی حالت ایسی درست ہو جاتی ہے جیسے بارش سے سرسبز و شاداب ٹہنی۔

ولكن اعبد الرحمٰن ربی ليغفر ذنبی الرب الغفور

لیکن میں تو اپنے پروردگار رحمٰن کی عبادت کرتا ہوں تا کہ میں ڈھانک لینے والا پروردگار میرے گناہ کو ڈھانک لے۔

فتقویٰ اللہ ربکم احفظوھا متیٰ ماتحفظوھا لا تبور

پس اے لوگو تم اپنے پروردگار کے تقوے کی حفاظت کرو، جب تم اس کی حفاظت کروگے تو رائیگاں نہ جائے گا۔

تری الابرار دارھم جنان وللکفار حامیۃ سعیر

تو دیکھ لے گا کہ نیکوں کا گھر جنت ہے اور کافروں کے لیے گرم بھڑکتی ہوئی آگ۔

وخزی فی الحیاۃ وان یموتوا یلاقوا ما تضیق بہ الصدور

اور زندگی میں رسوائی۔ اور اگر وہ مرگئے تو ایسی حالت سے دوچار ہوں گے جس سے دل تنگ ہو جائیں گے۔

زید نے یہ ابیات بھی کہے ہیں:

الی اللہ اھدی مدحتی وثنائیا وقولاً رصیناً لاینی الدّھر باقیا

اللہ تعالیٰ کی جناب میں، میں اپنی مدح وثنا اور ایک ایسی محکم بات کا ہدیہ پیش کرتا ہوں جو باقی زمانہ یعنی ابد تک کمزور نہ ہو۔

الی الملک الاعلی الذی لیس فوقہ الٰہ ولا رب یکون مدانیاً

اس شہنشاہ اعظم کی جناب میں جس کے اوپر کوئی معبود نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا رب ہے جو اس کے قریب قریب یعنی اس کی سی صفتیں رکھنے والا ہو۔

الا ایھا الانسان ایاك والردی فانك لاتخفی من اللہ خافیاً

خبردار اے انسان اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا۔ کیونکہ تو اللہ تعالیٰ سے کوئی بھید بھی چھپا نہیں سکتا۔

وایاك لاتجعل مع اللہ غیرہ فان سبیل الرشد اصبح بادیاً

(اے انسان) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک کرنے اپنے کو بچا کہ سیدھی راہ تو نمایاں ہوچکی ہے۔

حنانیك ان الجن کانت رجاھم وانت الٰھی ربنا ورجائیاً

اے میرے معبود میں تیرے الطاف وکرم کا طالب ہوں، دوسرے لوگوں کے لیے تو جن امید و رجا کے مرجع بنے ہوئے ہیں اور ہم سب کو پالنے والا اور میرے امید ورجا کا مرجع تو، تُو ہی ہے۔

رضیت بك اللھم ربا فلن اری ادین الٰھاً غیرك اللہ ثانیاً

یااللہ میں تیری ربوبیت سے راضی ہوں۔ تیرے سوا کسی دوسرے معبود کو پرستش کے لائق کبھی نہ سمجھوں گا۔

وانت الذی من فضل من و رحمة   بعثت الی موسیٰ رسولاً منادیاً

تو ہی وہ ذات ہے جس نے (اپنے) بے انتہا احسان و مہربانی سے موسیٰ کی جانب (رشد وہدایت کی) منادی کرنے والے پیامبر (عامل وحی فرشتہ) کو بھیجا۔

فقلت له یا اذهب وهرون فادعوا   الی الله فرعون الذی کان طاغیاً

اور تو نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ تم ہارون کو ساتھ لے کر جاؤ اور اس فرعون کو جو سرکش ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔

وقولا له آانت سوّنت هذه   بلا وتد حتّی اطمانّت کما هیاً

اور تم دونوں اس سے دریافت کرو کہ کیا تو نے اس (زمین) کو بغیر کسی میخ کے قائم رکھا کہ وہ اس حالت پر برقرار ہوگئی جیسی کہ وہ (اب تمہیں نظر آرہی) ہے۔

وقولا آانت رفعت هذه   بلا عمد ارفق اذاً بك بانیاً

اور تم دونوں اس سے پوچھو کہ کیا تو نے اس (آسمان) کو بے کھمبوں کے اونچا کر دیا ہے۔ (اگر ایسا ہی ہے) تو تو بڑا نازک کاریگر ہے۔

وقولا له آانت سوّیت وسطها   منیراً اذا ما جنّتها الیل هادیاً

اور اس سے سوال کرو کہ کیا تو نے اس (آسمان) کے بیچ میں روشن (چاند) بنایا ہے کہ جب اس پر رات چھا جاتی ہے تو وہ رہنمائی کرتا ہے۔

وقولا له یرسل الشمس غدوةً   فیصبح ما مسّت من الارض ضاحیاً

اور اس سے کہو کہ صبح سویرے اس آفتاب کو کون بھیجتا ہے جس سے زمین کے جس حصے تک روشنی پہنچتی ہے، وہ روشن ہو جاتا ہے۔

وقولا له من ینبت الحب فی الثّری   فیصبح منه البقل یهتزّ رابیاً

ور اس سے کہو دانے کو گیلی مٹی میں کون اگاتا ہے کہ اس سے ساگ پات لہلہاتی ہوئی ابھر آتی ہے۔

ویخرج منه حبّه فی رووسه   وفی ذالك آیات لّمن کان واعیا

اور ان ترکاریوں میں سے ان کے سروں پر اس کے بیج نکل آتے ہیں۔ غور کرنے والے کے ان چیزوں میں (ہزاروں) نشانیاں ہیں۔

وانت بفضل مّنك نجّیت یونساً   وقد بات فی اضعاف حوت لیالیاً

اور تو نے ہی اپنے مہربانی سے یونس کو بچا لیا، حالاں کہ انھوں نے مچھلی کے (پیٹ میں) بہت سے پردوں کے اندر کئی راتیں بسر کیں۔

وانّي لو سحبت باسمك ربّنا لا كثر الّا ما غفرت خطائیاً

اے ہمارے پروردگار اگرچہ میں نے تیرے نام کی تسبیح کی۔ مگر بہت ہی خطاکار ہوں۔ مگر یہ کہ تو بخش دے۔

فربّ العباد الق سیباً ورحمۃً علیّ وبارك فی نبّی و مالیا

اے بندوں کے پالنے والے مجھ پر رحمت کا مینہ برسا اور میرے اولاد اور میرے مال میں برکت دے۔

ابن اسحٰق کہتا ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل کعبہ کی طرف منہ کر کھڑا ہوا کہہ رہا تھا:

انفی لك اللّھمّ عان راغم مھما تجشّمنی فانّی جاشم

یا اللہ میری ناک تیرے لیے ذلت کے ساتھ مٹی کو رگڑ رہی ہے۔ (میں تیرے سامنے سر بسجدہ ہوں) جو جو تکلیفیں تو مجھ پر ڈالے، میں ان کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔

البرّ ابغی لا الخال لیس مھجر کمن قال

میں نیکی کا طلب گار ہوں تکبر کا نہیں۔ وطن کا چھوڑنے والا دوپہر میں آرام سے سونے والے کا سا نہیں۔]

زید بن عمرو نے یہ ابیات بھی کہے ع

واسلمت وجھی لمن أسلمت الأرض تحمل صخرا اثقالا

میں نے اپنی گردن اس ذات کے آگے جھکا دی جس کے آگے بھاری چٹانوں کو اٹھانے والی زمین نے سر خم کیا۔

دحاھا فلمّا رآھا استوت علی الماء ارسی علیھا الجبالا

اس نے اس زمین کو بچھا دیا اور جب دیکھا کہ وہ پانی پر ٹھیک طور پر استوار ہو گئی تو اس نے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے۔

وأسلمت وجھی لمن أسلمت المزن تحمل عذبا زلالا

میں نے اس ذات کے آگے اپنا سر جھکا دیا جس کے آگے صاف میٹھا پانی اٹھانے والے بادلوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

إذا ھی سیقت إلی بلدۃ أطاعت فصبت علیھا سجالا

جب وہ (بادل) کسی سرزمین کی طرف ہانکے گئے تو انہوں نے اطاعت کی اور اس پر (ان گنت) ڈول انڈیل دیے۔

ورقہ بن نوفل بن اسد نے زید کا مرثیہ جو کہا، وہ بھی حاضر ہے: (یہاں ورقہ کا مرثیہ اس لیے دیا جارہا ہے تا کہ یہ بخوبی ذہن میں رہے کہ ورقہ کا کس درجہ زید بن عمرو کا معتقد تھا۔ وہ اس کے عقائد کا جانکار بھی تھا اور معترف بھی۔ چنانچہ خدیجہ کے کہنے پر جب ورقہ نے محمد کو نبوت کی بشارت دی تو ان عقائد کو بھی اس بشارت کے ساتھ منسلک کر دیا۔)

رشدت و أنعمت ابن عمرو و إنما   تجنبت تنورا من النار حامیا

اے ابن عمرو تو نے سیدھی راہ اختیار کی اور راہ تو نے بڑے سوچ بچار کے بعد اختیار کی اور تو بھڑکتی ہوئی آگ کے تنور سے بچ گیا۔

بدینك ربّا لیس ربّ کمثله   و ترکك أوثان الطواغی کما ھیا

تیرے اس پروردگار کا دین اختیار کرنے کے سبب سے جس کا کوئی مثل نہیں، اور سرکشوں کی مورتوں کو ان کی اسی (ذلیل) حالت پر چھوڑ دینے کے سبب سے جس حالت میں کہ وہ تھیں، تو نے نجات پائی۔

و ادراکك الدین الذی قد طلبته   و لم تك عن توحید ربك ساھیا

جس کی تو تلاش میں تھا، اس دین کو پالینے کے سبب سے اور اس سبب سے کہ تو اپنے رب کی توحید کو بھولنے والا نہ تھا۔

فاصبحت فی دار کریم مقامھا   تعلّل فیھا بالکرامة لاھیا

پس تو ایسے گھر میں جا پہنچا جہاں کا رہنا عزت ہے۔ جہاں اعزاز کے ساتھ تمام چیزوں سے بے فکر ہو کر (اپنی کوششوں کا) پھل پاتا رہے گا۔

تلاقی خلیل اللہ فیھا و لم تکن   من الناس جبارا الی النار ھاویا

تو وہاں خلیل اللہ سے ملاقات کرے گا تو سرکش لوگوں اور آگ میں گرنے والوں میں سے نہ تھا۔

وقد تدرك الانسان رحمته ربه   و لو کان تحت الارض سبعین وادیا

اگرچہ انسان ستر وادیوں کی گہرائی میں زمین کے نیچے ہو، پھر بھی پروردگار کی رحمت اس تک پہنچ جاتی ہے۔ (سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 225-233)

اب آیئے ذرا زید بن عمرو بن نفیل کے بنیادی عقائد کی روشنی میں قرآن کی ان آیات پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو کلام الٰہی نہیں بلکہ کلام انسانی سے مستعار ہیں۔ طوالت کے سبب میں صرف آیات کے نمبر دینے پر اکتفا کر رہا ہوں، اور یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ قرآن کی آیات

میں وہ آیتیں بھی شامل ہیں جو زید کے عقائد کا براہ راست چربہ ہیں اور ایسی آیتیں بھی شامل ہیں جو بالواسطہ اسی کے عقائد کی نمائندگی کرتی ہیں۔ چنانچہ زید کے متعلقہ خیالات یا ابیات کے نیچے دو نوں طرح کی آیات کے نمبر شامل کیے جارہے ہیں۔ پہلی قطار میں جو نمبر دیے جارہے ہیں، وہ براہ راست چربے پر مشتمل ہیں، جب کہ دوسری قطار میں وہ آیات ہیں جو اس کے مماثل ہیں۔

زید لکھتا ہے: میں ایک خدا کا عبادت گذار ہوں یا ہزار کا؟

(قرآن): 16:22 ,9:31 ,10:64 ,11:2 ,16:51 ,21:25 ,21:108 ,37:4, 38:65, 39:14, 39:11, 39:29, 112:1

زید لکھتا ہے: وہ اللات، العزیٰ اور اس کی دو بیٹیوں کی پرستش نہیں کرتا:

(قرآن) 53:19, 53:20, 53:21, 53:22, 53:23, 22:52, 52:39, 53:21

زید لکھتا ہے: اللہ نے ان لوگوں کو فنا کر دیا جن کے کرتوت شیطانی تھے:

(قرآن) 6:6, 7:4, 10:13-14, 19:98, 20:128, 22:48, 21:6, 21:11, 21:15, 22:45, 32:26, 38:3, 43:8, 40:22, 46:27, 50:36, 77:16, 64:5, 67:18

زید لکھتا ہے: اور دوسروں کو چھوڑا:

(قرآن) 9:106, 20:130

زید لکھتا ہے: ایک درخت کی شاخ بارش کے بعد زندہ ہو جاتی ہے:

(قرآن): 50:9 , 50:10 , 50:11 , 2:164 , 6:99 , 7:57 , 15:22 , 18:45, 22:63, 23:18, 32:27, 39:21, 43:11, 57:17

زید لکھتا ہے: چنانچہ اللہ سے ڈرتے رہو...... تم ہلاک نہیں ہوگے:

(قرآن) 2:41, 3:102, 3:198, 7:56, 7:171, 8:2, 9:119, 22:1, 22:35, 30:31, 35:28, 39:10, 64:16, 67:12, 69:47, 71:3-4, 92:5-6

زید لکھتا ہے: متقی باغ میں ہوں گے...... کافروں کے لیے جہنم کی آگ سلگ رہی ہے:
(قرآن) 26:90, 26:91, 26:92, 26:93, 26:94, 26:95, 98:8, 3:15,
3:136, 5:119, 9:72, 13:23, 13:35, 22:23, 22:56, 26:91, 26:90,
32:19, 32:20, 35:33, 35:36, 36:55-58, 36:60-64, 36:41-50,
37:51:55, 42:7, 43:70-72, 43:74, 47:12, 48:5, 52:17, 54:55, 55:54,
61:12, 64:9, 64:10, 68:34, 73:12, 76:4, 85:11, 88:10

زید لکھتا ہے: سینے غم سے سکڑ جائیں گے:
(قرآن) 6:125
6:110, 7:101, 10:74, 10:100, 30:59, 79:8, 83:14

زید لکھتا ہے: اس کے اوپر کوئی خدا نہیں ہے، وہ اعلیٰ ہے:
(قرآن) 21:108, 27:26
6:62, 16:74, 17:22, 21:22, 21:25, 28:88, 29:22, 35:3, 37:4
38:65,
42:4, 43:84, 44:7, 57:3, 67:1, 112:1, 112:4

زید لکھتا ہے: تم اللہ سے کچھ نہیں چھپا سکتے:
(قرآن) 27:75
3:29, 5:61, 11:5, 20:7, 21:110, 23:92, 27:74, 32:6, 36:75,
59:22, 64:4, 67:13

زید لکھتا ہے: سیدھا راستہ واضح اور صاف ہوتا ہے:

(قرآن): 2:256
2:99, 5:15, 15:1, 22:16, 24:46, 26:1, 36:69, 57:9, 98:5

زید لکھتا ہے: اور تیرے سوا کسی اور خدا کی عبادت نہیں کریں گے:

(قرآن): 12:40

2:83-84, 3:79, 7:29, 7:55, 9:31, 10:104, 11:2, 16:36, 16:51, 21:25, 39:11, 40:14, 40:66, 72:20-21، اور سورۃ الکافرون مکمل۔

زید لکھتا ہے: فرعون سے کہو، کیا تم بغیر کسی سہارے کے زمین بچھا سکتے ہو؟

(قرآن): 13:2

31:10, 28:35, 79:17-19

زید لکھتا ہے: درمیان میں چاند مقرر کیا، روشنی کی رہنمائی کے بطور جب رات اس کا احاطہ کرتی ہے۔

(قرآن): 71:15, 71:16

25:61, 16:12, 6:96, 10:5, 14:33, 31:29, 36:39, 36:40

زید لکھتا ہے: کس نے خاک میں بیج کی پرورش کی اور اس کی نشوونما کی۔

(قرآن): 13:4, 27:60

18:45, 50:9-11, 71:17

زید لکھتا ہے: اس میں سمجھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

(قرآن): 38:29

2:164, 3:190, 10:6, 18:45, 20:54, 51:20

زید لکھتا ہے: یونس کو باہر لایا جس نے مچھلی کے پیٹ میں رات گذاری تھی۔

(قرآن): 21:87, 21:88

37:142, 37:143-144, 37:145

زید لکھتا ہے: زمین کو بچھادیا اور پہاڑوں کو اس پر نصب کر دیا۔

(قرآن): 15:19

13:3 , 15;16 , 20:53 , 21:31 , 27:61 , 43:10 , 50:7 , 77:27 , 78:7,
88:20, 79:32, 88:19

زید لکھتا ہے: بادل جو میٹھے پانی کو سنبھالے ہوئے ہیں۔
(قرآن): 78:14, 78:15, 78:16
7:57, 24:43, 30:48, 77:27

ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزی بن قصی القرشی:

ورقہ بن نوفل پیغمبر اسلام کی پہلی بیوی خدیجہ کا چچازاد بھائی تھا۔ ورقہ "نسطوری عیسائی راہب" (Nestorian Chiristian Priest) تھا۔ اسلامی روایات کے مطابق ورقہ نے انجیل اور تورات کا مطالعہ خوب اچھی طرح کیا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے عربی میں "نئے عہد نامہ" کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز بھی سورۃ اقرأ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"یہ شخص عبرانی کتابوں اور توریت وانجیل سے پوری واقفیت رکھتا تھا اور ان کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ بھی لکھا کرتا تھا۔ اس علم دوست دین دار آدمی نے عمر کی پوری برکت پائی تھی۔ یہ عالم شباب میں یہودو نصاریٰ کے ملکوں میں سیاحی کرکے اور عالموں کی صحبت اٹھا کر عیسائی ہوگیا تھا اور ہمیشہ اسی دین پر قائم رہا۔ اپنی بساط و گنجائش کے موافق اس نے کس قدر نسخے کتابوں کے اور کس قدر تحریری کلام نثر و نظم وتراجم وغیرہ اپنے پاس نہ جمع کیے ہوں گے اور خود بھی کس قدر نہ لکھا پڑھا ہو گا۔ کان یکتب الکتاب بالعربی وہ عربی میں ایک کتاب لکھا کرتے تھے۔ یہ تم خود جانتے ہو اور یکتب من الانجیل بالعربیۃ اور وہ انجیل سے ترجمہ کرکے عربی میں لکھا کرتے تھے، یہ بھی تسلیم کرتے ہو اور لکھتے بھی اتنا ہی تھے۔"

ماشااللہ، "جتنا اللہ اس سے لکھواتا تھا وہ اتنا ہی لکھتا تھا"، لہٰذا، عربی زبان میں اس کی تصنیفات موجود تھیں اور ان میں ایسے نسخے بھی تھے جن کو لوگ انجیل کا ترجمہ سمجھتے تھے اور وہ لکھے بھی تائید الٰہی سے گئے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ورقہ کا یہ علمی ذخیرہ کہاں گیا جو اس نے ملک ملک سفر کرکے

غیر معمولی بڑھتی عمر میں فراہم کیا تھا؟ بالخصوص اس کی وہ عربی کتاب جو وہ لکھا کرتے تھے، اس کے وہ نسخے جو انجیل عربی ترجمہ گمان کیا جاتا تھا؟ ٹسڈل کہتا ہے کہ ورقہ کا تمام علمی سرمایہ محمد کے ہاتھ لگا۔

کہا جا چکا ہے کہ ورقہ ، خدیجہ کا چچازاد بھائی تھا اور بڑھاپے کے وقت مکہ میں ہی رہتا تھا جو خدیجہ کا مسکن تھا۔ خدیجہ ، اس وقت بڑی صاحب ثروت رئیسہ تھیں اور اپنے بھائی کے حال کی نگراں بھی تھیں۔ وہ دینی امور میں اور مشکل کے وقت ورقہ سے رجوع کیا کرتی تھیں۔ ورقہ کی زندگی میں ہی محمد کی شادی خدیجہ کے ساتھ ہو گئی۔ نزول سورہ اقرا کے وقت ورقہ مکہ میں اپنی بہن خدیجہ کے پاس موجود تھا اور محمد کے شک و شکوک کو رفع کرانے کی غرض سے ورقہ کی ہی خدمات خدیجہ نے لی تھی۔ اس واقعہ کے کچھ مدت بعد بھی ورقہ زندہ رہا۔ ورقہ کی وارث خدیجہ ہی تھیں اور خدیجہ محمد کی زوجہ تھیں تو اس طرح ورقہ کے وارث محمد ہی ہوئے۔ اس لیے اس میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ورقہ کا علمی ترکہ بلاشرکت غیرے محمد کے ہاتھ لگا۔ کم از کم ورقہ کی وہ کتاب جو وہ لکھا کرتا تھا، اسے محمد نے بچا لیا۔ اس میں محمد کی مدد خود خدیجہ بھی کر سکتی تھیں، کیوں کہ ان کو بھی اہل کتاب کے علم سے حصہ ملا ہوا تھا۔ مورخین اسلام نے ضرور اس بات کی کوشش کی کہ اس قسم کے احتمالات پیدا نہ ہونے پائیں اور مخالفین کو موقع نہ ملے کہ وہ اسے غیر اللہ کا کلام ثابت کر سکیں۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز سورۃ اقرأ کی تمہید میں مزید فرماتے ہیں:

> ورقہ بن نوفل جس نے حضرت محمد کو تسلی دی تھی اور آپ پر نزول وحی کی گواہی دی اور حضرت جبرئیل کو پہچانا اور آپ کی یاری اور مددگاری پر کمر ہمت کسی تھی، اس جہان سے اس شخص کو جلد اٹھا لیا گیا تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ تمام ابتدائی قصے اور شریعت کی دوسری باتیں اسی شخص نے حضرت محمد کو سکھلائیں اور یاد کرائیں تھیں۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ ورقہ کی حیات میں محمد نے اصل دعویٰ نبوت نہیں کیا۔ ابتدائی واقعہ کے بعد کتنے دنوں ورقہ زندہ رہا، اس کی کوئی سند نہیں لیکن صحیح بخاری کے مطابق تھوڑی مدت کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی آنا بند ہو گئی (صحیح بخاری نمبر:4953) پھر ہمیں حدیث ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ اقرأ کے بعد جو سورہ محمد پر نازل ہوئی وہ سورۃ المدثر ہے۔ شارحین کے مطابق ان دونوں سورتوں کے درمیان تین برس کا وقفہ ہے اور اس بیچ کوئی وحی نازل

نہیں ہوئی۔ یہ وقفہ محمد کے لیے بڑی آزمائش کا زمانہ تھا۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں لکھا ہے:

زہری کہتا ہے کہ پھر وحی آنا بند ہو گئی اور رسول اللہ کو سخت رنج ہوا، یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر جاتے اور چاہتے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے گرا دیں لیکن جب بھی وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو وہاں جبرئیل آتے اور کہتے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں۔ اس سے آنحضرت کے دل کو تسکین ہوتی اور پھر دل ٹھہر جاتا تھا۔

یہی روایت بخاری سے مشکوٰۃ میں نقل ہوئی (جنہیں طوالت کے خوف سے نقل نہیں کر رہا ہوں)۔ گمان غالب ہے کہ ورقہ کی عمر نے اس سے زیادہ وفا نہ کی اور محمد کو اپنی ان مشکلات کو خود حل کرنا پڑا۔ سوال یہ ہے کہ اس تین برس کی مدت میں محمد کیا کرتے رہے اور وحی اس طرح تعطل کا شکار کیوں ہو گئی؟ جملہ واقعات پر نظر ڈالنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اول تو محمد کو اس بات پر یقین کرنے کے لیے کچھ وقت درکار تھا کہ ان تک وحی لانے والا جبرائیل ہی تھا، نہ کہ ان پر کوئی آسیب تھا۔ دوم یہ کہ ورقہ کے علمی سرمائے کی جانچ پڑتال اور اس کی ترتیب و تدوین میں ایک مدت صرف ہو گئی۔ یوں تین برس کا وقفہ دینی ریاضت و تحقیق میں گذر گیا۔ اس کے بعد میدان صاف تھا۔ اللہ نے جبرائیل کو اب متواتر بھیجنا شروع کر دیا اور عہد نبوت کی باقاعدہ شروعات ہو گئی۔ اس طرح یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ کیوں ورقہ کے حیات کے دوران دعویٰ نبوت و نزول قرآن کی گنجائش نہ تھی۔ بر سبیل تذکرہ میں یہاں ایک غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دوں کہ کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ قرآن، محمد کی تصنیف ہے۔ میں اس بات کو کلیتاً تسلیم نہیں کرتا۔ قرآن میں ایسے اجزاء بہت تھوڑے ہیں جو محمد کی تصنیف ہیں، کیوں کہ قرآن اول تا آخر ایک ہی اسلوب پر نہیں ہے۔ عبارت و بندش، الفاظ و مضامین اور انشا پردازی سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہیں کلام مسجع و مقفیٰ ہے جس کی نثر میں شاعرانہ آہنگ ہے، کہیں آمد ہے، کہیں فکشن کا بیانیہ ہے۔ کہیں زہد خشک اظہار ہے، کہیں امم سابقہ کی مؤرخانہ سرگذشت ہے اور کہیں حکایتوں کی تکرار ہے۔ المختصر، مختلف لوگوں کا کہا ہوا مختلف درجوں کا کلام ہے؛ کہیں چست ہے تو کہیں سست، کہیں تیکھا ہے تو کہیں پھیکا۔ گویا قرآن ایک ایسے کشکول کی مانند ہے جس میں سینکڑوں متقدمین کا کلام اکٹھا کیا گیا ہے، اگرچہ مصنفوں کے نام ناپید ہو گئے اور سب کا سب ایک ہی سے منسوب کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود کلام کی اندرونی و بیرونی ساخت میں وہ امتیاز باقی ہے جس سے مختلف مصنفوں کا

کلام جدا جدا معلوم ہوتا ہے۔

میرے نزدیک قرآن کی بیشتر آیات ان تحریروں پر مشتمل ہے جو ورقہ نے جمع کی تھیں اور اس سے منسوب کی جاتی تھیں جن کی نسبت مسلم وغیرہ لکھتے ہیں کان یکتب الکتاب العربی و یکتب من الانجیل بالعربیۃ۔ محمد کے لیے اس کتاب کو پڑھنا یا اس کی نقل کرنا یا وقتاً فوقتاً اس کے مضامین یاد کر کے لوگوں کو سنا دینا کچھ مشکل نہ تھا۔ امی کے مطلب ناخواندہ نہیں اور نہ ہی کوئی وجہ ہے کہ ہم محمد کو ناخواندہ تسلیم کر لیں۔ محمد کے زمانہ میں پڑھنا لکھنا کم تو تھا لیکن پھر بھی پڑھے لکھے لوگ موجود تھے۔ محمد کا معاملہ بالکل استثنائی تھا۔ آپ جوانی میں خدیجہ کے کارندے تھے۔ حساب کتاب کا کام آپ کے لیے لازمی تھا۔ خود خدیجہ کو لوگوں نے پڑھی لکھی کہا ہے اور ان کے اپنے گھر میں اس کا بھائی ایک بڑا عالم تھا۔ بہت ساری دیگر روایات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد قطعی ناخواندہ نہ تھے، ہم اس پر آگے تفصیلی نظر ڈالیں گے۔

قصہ مختصر، ورقہ کی اپنی لکھی ہوئی "کتاب العربی" موجود تھی۔ اس کی اور بھی تحاریر تھیں جو "الانجیل بالعربیۃ" کے طور پر مشہور ہوئیں۔ علاوہ اس کے ورقہ کے ذاتی کتب خانے میں نہ معلوم دوسروں کی عربی تحریروں کا کتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ مثلاً زید بن عمرو جو اسی ورقہ کا دوست اور ہم خیال و ہمدرد تھا، اس کا کل کلام عربی میں تھا۔ دیگر حنفائے عرب کا کلام بھی اسی زبان میں تھا۔ یہی حال عربی یہودیوں اور عربی عیسائیوں کی تصنیفات کا تھا۔ اس کے کتب خانہ میں اس قسم کے دینی لٹریچر کی موجودگی کی توقع بآسانی کی جاسکتی ہے۔

عاد و ثمود کے قصے کہانیاں، اصحاب کہف کے افسانے، اصحاب فیل کی مقامی روایات، یوسف کا قصہ، موسیٰ وہارون اور فرعون کی تاریخ، سلیمان کے جاہ و حشم اور بلقیس کی روداد، آل یعقوب کی حکایات کے علاوہ عیسائیوں کی اپنی احادیث، مریم و عیسیٰ کی پیدائش، ذکریا کی دعا، حواریوں کی تبلیغ دین، سورۃ یاسین، عیسیٰ کے معجزات طفلی وغیرہ ان سب کے ماخذ کے لیے ورقہ کی "الکتاب العربی" اور اس کی متفرق تحریریں "الانجیل بالعربیۃ" کافی سے زیادہ ہوسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی روایات و قصص عرب کے درمیان زبان زد خاص و عام ہو رہے تھے اور اس پر خود قرآن شاہد ہے۔ اگر یہ قصے عرب میں جاری ساری نہ ہوتے تو یہ سوال بے معنی ہوتا۔

چنانچہ یہ بوقلموں افسانے، یہ رنگا رنگ پند و نصائح، یہ حمد و مناجات کے مضامین، یہ دوزخ کے عذاب اور جنت کے عیش کے نقشے؛ یہ سب کے سب تحریری و زبانی نظم و نثر میں موجود تھے جن کو محمد نے ورقہ کے علمی گودام میں محفوظ پایا۔ محمد کا اگر کوئی کارنامہ تھا تو صرف یہ تھا کہ ان بے

ترتیب اوراق کو سمیٹ کر انہوں نے اسے تالیف بنا دیا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ جو کلام نظم تھا، اسے توڑ کر نثر پر لے آئے اور جابجا" قُل'' کا اضافہ کر دیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا، اللہ کے ذکر کو غائب سے حاضر کے صیغے میں تبدیل کر دیا تاکہ لفظی وحی کے دعوے کے ساتھ موافقت پیدا ہو جائے۔ پھر حسب ضرورت ٹکڑے ٹکڑے بالاقساط 23 برسوں کی مدت میں خوب دھو مانجھ کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا اور دیانت داری کے ساتھ یہ بھی اعتراف کر لیا کہ اس کا مصنف میں نہیں ہوں بلکہ یہ نعمت غیر مترقبہ منزّل من اللہ ہے۔ چنانچہ اس انتخاب کو جس کے مختلف مصنفوں کا نام بھی لوگ بھول گئے تھے، آپ نے گمنام طور پر اس کا اجرا کیا یعنی ایک فرضی نام سے منسوب کر دیا اور یہ بات اس زمانے کے آداب کے خلاف بھی نہ تھی۔ لوگ اپنی کتابوں کو مشہور عالموں و حکیموں سے منسوب کر دیتے تھے۔ خود مسلمان اپنی موضوعہ روایات و احادیث کو محمد سے منسوب کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح محمد نے جو اپنے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے، انہوں نے اپنی تالیف کو اللہ سے منسوب کر دیا۔

لیکن معاصرین میں سے بعض لوگ جو زیادہ واقف کار تھے، بغیر شور و شغب اٹھائے نہ رہے۔ ان کے بعض الزامات کا ذکر قرآن نے اپنے طور پر صرف اس غرض سے کیا تاکہ مومنین کے دل کے شکوک رفع ہو جائیں۔ اہل مکہ کہتے تھے کہ محمد کو ایک آدمی تعلیم دیتا ہے اور کسی خاص شخص کی طرف اشارہ بھی کرتے تھے کہ جو اہل کتاب سے تھا، اس کا تذکرہ تمام تفاسیر میں موجود ہے۔(سورہ النحل) لیکن اس آیت میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ "سکھلانا" سے مخالفین کی مراد کیا تھی؟ آیا وہ شخص قرآن کی عربی بنا بنا کر آپ کو دیا کرتا تھا یا صرف مضامین بتاتا اور تعلیم سمجھاتا تھا؟ آیت میں اس شخص کے وجود کا اقرار ہے اور دوسری قسم کے سکھلانے سے انکار بھی نہیں۔ صرف ضمنی طور سے اس بات کا انکار کیا گیا ہے کہ قرآن جو عربی معلیٰ میں ہے، ایک عجمی شخص اس قسم کی عبارت نہیں لکھ سکتا۔ مگر واضح رہے کہ اس آیت میں اس بات کا انکار نہیں ہے کہ وہ عجمی شخص عربی نہیں بول سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ ایک عجمی شخص عرب میں رہنے لگے اور عربی بولنے اور لکھنے لگے ، اگرچہ وہ ان لوگوں کی برابری نہ کر سکے جن کی مادری زبان عربی ہے۔ اگر اہل مکہ کا مقصود یہ تھا کہ ایک عجمی اہل کتاب عربی میں مضامین قرآن بیان کرتا ہے اور محمد اس کو اصلاح دے کر اعلیٰ درجہ کی عربی کر لیتے ہیں، پھر بھی اس آیت میں اس الزام کا جواب نہیں ہے۔

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو محض جھوٹ ہے جسے اس نے بنا لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے، پس وہ بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ اور کہتے

ہیں کہ پہلوں کی کہانیاں ہیں کہ جنہیں اس نے لکھ رکھا ہے، پس وہی اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔ کہہ دو کہ اسے تو اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں جانتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔(سورہ الفرقان، آیت نمبر 3-6)

اس آیت سے علم ہوتا ہے کہ کفار مکہ کسی ایک ہی شخص کا نام نہ بتاتے تھے جو ان کے گمان میں محمد کو سکھاتا تھا بلکہ وہ اس ضمن میں بہت سارے لوگوں کے نام بتاتے تھے بلکہ ان کے مطابق پورا ایک گروہ تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ قرآن عربی مبین میں ہے، اسے کوئی عجمی شخص نہیں بنا سکتا۔ اس کے بر خلاف کفار کہتے تھے کہ ہم کسی عجمی شخص سے اس تصنیف کو منسوب نہیں کرتے، بلکہ قرآن تو اساطیر اولین ہے۔ ان کے مطابق پہلے کے لوگوں کے نوشتے محمد لکھ لائے ہیں، جنہیں شب و روز آپ اور آپ کے یار و مدد گار ترتیب و تالیف کرتے رہتے ہیں اور ہم کو سناتے ہیں۔ یہ کافی سنگین الزام تھا لیکن قرآن نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ محمد نے خود بھی کبھی اس سے انکار نہیں کیا کہ ایسے لوگ عرب میں موجود نہیں ہیں یا اگر ہیں تو ان کی ان تک رسائی نہیں یا وہ ان کے پاس آتے جاتے نہیں یا یہ کہ ان کا اور ان کے یاروں کی کوئی خفیہ مجلس نہیں جمتی۔ کفاروں کے جواب میں محمد صرف یہ رٹا رٹایا فقرہ دہرا دیتے ہیں کہ قرآن کو خدا نے ان پر نازل کیا ہے۔

جب پڑھی جائیں ان لوگوں پر ہماری آیتیں، بولے ہم سن چکے ہیں جو ہم چاہیں اس کی مانند کہہ ڈالیں یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی نقلیں ہیں۔(سورہ انفال)

اس آیت کے مضمون سے واضح ہے کہ اہل مکہ میں بعض لوگ تھے جو ان کے متقدمین کے نوشتوں کے مضامین و عبارت سے واقف تھے اور جن کی نقلیں خدا سے منسوب کرکے انہی کو محمد سنایا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ ورقہ نے اپنی عربی کتابوں کے بعض مضامین چیدہ چیدہ لوگوں کو سنائے ہوں یا اس کی جمع و تالیف سے قبل اس کلام کا شہرہ ہو چکا ہو۔ معاملہ کچھ بھی ہو لیکن یہاں ایک بات صاف ہے کہ قرآن اساطیر الاولین ہے جسے محمد، خدا اور جبرائیل کے نام سے لوگوں کو سناتے رہے اور اس کا ماخذ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ وہ ورقہ کا کتب خانہ تھا اور اس کی "الکتاب العربی" و دیگر تحریرات معروف بہ "الانجیل بالعربیۃ" سورہ ضحیٰ ورقہ کا ہی کلام معلوم ہوتا ہے، جسے شاید اس نے اس وقت کہا ہو جب خدیجہ، محمد کو ان کی خدمت میں لے گئیں کہ وہ آپ کے شک و شبہ اور بد گمانی کو دور کر سکے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں یہ کوشش بھی نہیں کی گئی کہ لفظ "قُل" سے ابتدا کی جائے جب کہ بقیہ جگہوں پر اس کا خاصہ اہتمام رکھا گیا ہے لیکن اس کے

بر خلاف یہاں اللہ مخاطب نہیں ہے بلکہ اسے صیغۂ غائب میں یاد کیا گیا ہے (صیغۂ غائب کے ضمن میں ہم تفصیلی طور پر آگے گفتگو کریں گے کہ کہاں کہاں اس کا خیال رکھا گیا ہے اور کیوں؟)۔ بہر حال یہ طے پایا کہ اگلے وقتوں کی یاد گاروں (اساطیر الاولین) کو جو ورقہ نے ایک جگہ جمع کیا تھا، اسے محمد نے اللہ کے نام منسوب کر کے قرآن میں محفوظ کر لیا۔

عجمی عقائد ورسوم کے اثرات

زرتشت کے زمانہ کے متعلق انیسویں صدی عیسوی میں Haug اور Bunsen نے جو تحقیقات کی ہیں، ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ زرتشت کا زمانہ 2200 قبل مسیح سے 2400 قبل مسیح کے درمیان کا ہے۔ 400 قبل مسیح میں افلاطون بھی اپنی کچھ تحریروں میں زرتشت کا ذکر کرتا ہے جب کہ Rene Guenon کا یہ خیال ہے کہ زرتشت کسی ایک شخصیت کا نام نہیں تھا۔ زرتشت ایک منصب تھا جس کا مقصد "نبوت اور قانون سازی" ہوتا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق زرتشت بہت سے گذرے ہیں جیسے مصر میں برسراقتدار شخصیت کے لیے فرعون کا خطاب مختص تھا۔ وہ مزید کہتا ہے کہ آخری زرتشت کا زمانہ 600 قبل مسیح کا ہے اور وہ باختر (Bacter) کے علاقے کا رہنے والا تھا۔ وہاں سے یہ مذہب فارس میں آیا اور فارس اور اس کے 117 صوبوں کا سرکاری مذہب قرار پایا۔ وہیں سے یہ گردونواح میں پھیلا اور اس نے دنیا کے دیگر مذاہب کو متاثر کرنا شروع کیا۔ بابل و نینوا کی سرزمین کے راستے اس نے قدیم یہودی مذہب کو متاثر کیا اور پھر اسکندریہ کے راستے یہ عیسیٰ کے بعد تشکیل دیے جانے والے مذہب عیسائیت میں نفوذپذیر ہوا۔ 500 قبل مسیح یہ مذہب ہندوستان میں داخل ہوا۔ اس مذہب نے اسلام پر بھی گہرے اثرات ڈالے۔ پارسیوں کی مقدس کتابوں میں دساتیر اور اوستا شامل ہیں۔ دساتیر کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے؛ (الف) خرد [چھوٹا] دساتیر (ب) کلاں [بڑا] دساتیر۔ اسی طرح اوستا کو بھی مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا؛ خرد اوستا اور کلاں اوستا جسے ژند یا ماہاژند بھی کہا جاتا ہے۔ پارسیوں کے مذہبی صحیفے دو زبانوں میں پائے جاتے ہیں؛ پہلوی (پہلوی دستاویز موجودہ فارسی دستاویز سے مشابہت رکھتی ہے) اور ژندی۔ ان دو زبانوں کے علاوہ کچھ مذہبی مواد ایسی تحریری شکل میں پایا جاتا ہے جسے پڑھا نہیں جا سکتا۔ کچھ زرتشتی دساتیر کو زیادہ مستند سمجھتے ہیں، جب کہ دوسرے اوستا کو زیادہ مستند سمجھتے ہیں۔

ٹسڈل لکھتا ہے کہ عرب و یونان کے مؤرخین کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبل از زمانۂ اسلام عرب کے اکثر ممالک میں شاہان ایران کی حکومت رہی تھی اس سے روشن ہے کہ محمد کے

زمانے میں اور اس سے پہلے اہل ایران عربوں کے ساتھ بودوباش کرتے رہے تھے، چونکہ ایرانیوں نے زمانۂ جاہلیت کے عربوں سے کہیں زیادہ علوم وشائستگی اور تہذیب وملک داری میں ترقی کی تھی، اس لئے یہ بات لازمی تھی کہ ان کے دین ورسوم وعلوم کا بہت بڑا اثر عربوں پر پڑے۔

علاوہ ازیں یہ بات تاریخ سے اور شہادت مفسرین قرآن سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ایرانیوں کے قصص اور ان کی نظموں نے جزیرۂ عرب کی قوموں کے درمیان اپنا گھر بنالیا تھا، چنانچہ اسی کی خبر ہم کو ابن ہشام دیتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ محمد کے زمانے میں اہل عرب نے نہ صرف رستم واسفند یار اور دیگر قدیم شاہان ایران کے قصے سنے تھے بلکہ بعض قریش تو ان کے گرویدہ ہوگئے تھے اور بسا اوقات وہ انہیں قرآنی قصص کے مقابل پیش کیا کرتے تھے۔ ابن ہشام لکھتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ مجلس میں بیٹھے ہوئے اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے تھے اور قرآن سنا کر اہل قریش کو اس افتاد سے ڈرا رہے تھے جو گذشتہ امتوں پر پڑی۔ نضر بن حارث آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، یکایک اٹھ کھڑا ہوا اور ان لوگوں کو رستم واسفند یار اور شاہان فارس کے قصے سنائے اور کہا کہ قسم خدا کی محمد مجھ سے بہتر قصہ سنانے والے نہیں ہیں۔ ان کے قصے کیا ہیں، سوائے اس کے کہ اگلے لوگوں کے نوشتے جو انہوں نے لکھ رکھے ہیں جیسا کہ میں نے لکھ رکھے ہیں۔ بس پھر کیا تھا، محمد نے فوراً جبرئیل کو آواز دی اور وہ حاضر:

> اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو محض جھوٹ ہے جسے اس نے بنالیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے، پس وہ بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ پہلوں کی کہانیاں ہیں کہ جنہیں اس نے لکھ رکھا ہے، پس وہی اس پر صبح وشام پڑھی جاتی ہیں۔ کہہ دو کہ اسے تو اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں جانتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔ (سورہ الفرقان، 3-6)

نضر بن حارث کے لیے اس کی یہ جرأت سم قاتل ثابت ہوئی۔ سب سے پہلے تو سورۃ لقمان کی چھٹی آیت میں اسے ملامت کیا گیا کہ "اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے خدا کے رستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزا کرے۔ یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔"

چنانچہ اس تمہید کے بعد حسب توقع وہی ہونا تھا جو ہوا، نضر بن حارث جنگ بدر میں اسیر ہوا۔ اس کا فدیہ بھی نامنظور کر دیا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ (بیضاوی، جلد دوم، ص112؛ تفسیر حسینی،

جلد اول، ص 183)

نضر کا الزام غلط نہ تھا، کیوں کہ وہ قرآنی حکایتیں رستم و اسفندیار اور شاہان فارس کی وہی حکایتیں ہیں جن کو محمد کے زمانہ سے صدیوں بعد فردوسی نے لوگوں کے پاس سے اکٹھا کر کے سلسلہ وار شاہنامہ میں نظم کیا۔ پھر یہ بات بھی صاف ہے کہ اگر اہل عرب شاہان ایران کے قصے سن چکے تھے تو وہ جمشید کے حال سے بھی بے خبر نہ رہ سکتے تھے اور نہ ہی وہ "ارداویراف نمگ" اور زرتشت کے معراج اور بہشت، چنیوت پُل وغیرہ کے حالات اور اہرمن کے قدیم تاریکی سے نکلنے کے قصے سے ناواقف تھے۔ چنانچہ ہمیں یہاں صرف اس امر کی تحقیق کرنی ہے کہ آیا ان باتوں نے اور اسی قسم کی دیگر باتوں نے قرآن و حدیث پر کیا کچھ اثر ڈالا یا نہیں۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ قدیم ایرانیوں کے قصے اور ان کے اعتقادات بھی دین اسلام کے سرچشموں میں سے ایک ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ جو قصے پرانے وقتوں میں اہل ایران کے درمیان مروج رہے ہیں، ان میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ جو صرف ایرانیوں سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ قدیم ہندوؤں میں بھی مشہور ہو چکے تھے اور ہرات سے نکل کر ہندوستان میں آبسے تھے کیوں کہ ان میں بعض اوہام و خیالات و تصورات تو گویا دونوں قوموں کے عقلی مذہب کی مشرک وراثت سے تھے اور ایک مدت گذر جانے کے بعد ایران سے ہندوستان میں پہنچے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ محمد نے زرتشتی عقائد کو کس طرح براہ راست یا بالواسطہ اسلامی بنا دیا:

پارسیوں کی مقدس کتاب "دساتیر" کے مطابق صفات خداوندی حسب ذیل ہیں:

- خدا ایک ہے۔
- اس کا کوئی ہم سر نہیں۔
- اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔
- نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ بیٹا۔ نہ بیوی نہ کوئی اولاد۔
- وہ بے جسم اور بے شکل ہے۔
- نہ کوئی آنکھ اس کا احاطہ کر سکتی ہے، نہ کوئی فکری قوت اسے تصور میں لا سکتی ہے۔
- وہ ان سب سے بڑھ کر ہے جنہیں ہم اپنے تصور میں لا سکتے ہیں۔
- وہ ہم سے بھی زیادہ ہمارے نزدیک ہے۔

اوستا، گتھا اور یسنا کے مطابق آہور مزدا کی کئی ایک صفات ہیں جن میں سے کچھ درج ذیل

ہیں:

- خالق(یسنا 51:7, 50:11, 44:7, 31:7, 11)
- بہت قوت و عظمت والا(یسنا۔45:6, 33:11)
- داتا... "ہدائی" (یسنا۔33:11, 48:3)
- سخی... "اسپینٹا" (یسنا۔48:3, 46:9, 45:5, 44:2)

زرتشتی عقائد کے مطابق درج ذیل اجزا پر بھی ایمان لازمی ہے:

- انبیاء کرام
- ان کو خدا کی طرف سے دی جانے والی وحی (سروش)
- فرشتے(یزد)
- دنیا کا خاتمہ
- حساب کتاب کا دن
- موت کے بعد کی زندگی (آخرت)
- جنت و دوزخ
- حیات بعد الموت کی ابدیت
- اہرمن (شیطان)
- دیوا(جنات)
- یسنا(صلٰوۃ)
- دس فیصد لازمی خیرات(زکوٰۃ)
- دنیا کے خاتمہ کے قریب ساوش یانت کی آمد (مہدی موعود)
- وہومانو۔ایک برگزیدہ فرشتہ (جبرائیل)

معراج

سُبْحَٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ إِلَى ٱلْمَسْجِدِ ٱلْأَقْصَا ٱلَّذِى بَٰرَكْنَا حَوْلَهُۥ لِنُرِيَهُۥ مِنْ ءَايَٰتِنَآ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ (سورہ بنی اسرائیل:1)

پاپاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، وہ (مسجد اقصیٰ) کہ برکت دی ہم نے جس کے ارد گرد تا کہ دکھائیں اُسے ہم کچھ اپنی نشانیاں، بیشک اللہ ہی ہے سب کچھ جاننے والا اور دیکھنے والا۔

مفسرین قرآن نے اس آیت کی تعبیر میں کافی اختلاف کیا ہے۔ ابن اسحاق نے احادیث کی روایت سے بتانے کی کوشش کی ہے کہ عائشہ کے مطابق رسول اللہ کا جسم غائب نہیں ہوا لیکن اللہ نے ان کی روح کو سیر کرائی اور حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ میری آنکھیں سوتی تھیں لیکن میرا دل جاگتا تھا۔ (سیرت الرسول)

صوفیوں کے گروہ سے محی الدین نے بھی اپنی تفسیر میں معراج کو بطریق مجاز سمجھا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک اسریٰ سے مراد مادی آلائش اور جسمانی کمزوریوں سے پاک ہونا ہے اور مسجد الحرام سے مراد دل کی وہ منزل ہے جس کے گرد نفسانیت کی رسائی نہیں کہ گناہ و معاصی کے مرتکب ہوں۔ اور مسجد اقصیٰ سے مراد روح کی وہ منزل ہے جس سے عالم جسمانی بہت دور رہ جاتا ہے جہاں خدا کی ذات کی تجلی اور اس کے دیدار کے جلوے کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

قصہ مختصر، اگر ہم محمد اور عائشہ کی شہادت قبول کریں اور نیز ان علما کی تفسیر وغیرہ کو دیکھیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ معراج کوئی حقیقی واقعہ نہ تھا بلکہ محض مجازی یا خواب کی کیفیت تھی۔ لیکن ابن اسحاق اور دوسرے لوگ اس کے خلاف بیان کرتے ہیں۔ ابن اسحاق نے حسن سے روایت کی ہے کہ محمد نے فرمایا:

اس اثنا میں کہ میں (مقام) حجر میں سو رہا ہوں کہ میرے پاس جبرئیل آئے۔ پھر انہوں نے مجھے اپنے پاؤں سے دبایا (اللہ اللہ، جبرئیل کی یہ مجال!: مصنف) تو میں (اٹھ کر) بیٹھ گیا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی تو پھر میں اپنی آرام گاہ کو لوٹا (یعنی پھر لیٹ گیا)، دوبارہ پھر وہ آئے اور اپنے پاؤں سے مجھے دبایا تو پھر میں (اٹھ) بیٹھا تو کچھ نہ دیکھا تو پھر میں اپنی آرام گاہ کی طرف لوٹا تو تیسری بار وہ میرے پاس آئے اور اپنے پاؤں سے مجھے دبایا تو میں (اٹھ) بیٹھا تو انہوں نے میرا بازو پکڑ لیا تو میں ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ مجھے لے کر مسجد کے دروازے کی طرف نکلے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید چوپایہ خچر و گدھے کے درمیان (قد والا) موجود ہے جس کی رانوں میں دو پنکھ ہیں جن سے وہ اپنے دونوں پاؤں کرید رہا ہے (اس کی صفت یہ ہے) کہ اپنی نظر

کی انتہا پر اپنا اگلا پاؤں رکھتا ہے۔ انھوں نے مجھے اس پر سوار کرایا۔ اس کے بعد میرے ساتھ نکل چلے۔ نہ وہ مجھ سے دور ہوتے اور نہ میں ان سے۔ (سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 11)

اسی صفحہ پر ابن اسحاق قتادہ سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

جب میں اس پر سوار ہونے کے لیے اس کے پاس گیا تو شوخی کرنے لگا تو جبرئیل نے اپنا ہاتھ اس کی ایال پر رکھا اور کہا اے براق! تو جو کچھ کر رہا ہے اس سے تجھے شرم نہیں آتی (حالاں کہ محمد کو پاؤں سے ٹھوکر دے کر اٹھانے میں جبرئیل کو بھی شرم نہیں آئی تھی: مصنف) اللہ کی قسم! محمد سے پہلے تجھ پر کوئی اللہ کا ایسا بندہ سوار نہیں ہوا جو اس کے پاس آپ سے زیادہ عزت والا ہو۔ فرمایا تو وہ ایسا شرمندہ ہوا کہ پسینہ پسینہ ہو گیا اور خاموش کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ میں اس پر سوار ہو گیا۔ (ایضاً)

معراج کی تفصیل تمام سیرت کی کتابوں اور احادیث میں مذکور ہے جسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محمد نے معراج کا جو قصہ سنایا، وہ کہاں سے لیا تھا؟ اس پر غلام رسول صاحب کا ایک تحقیقی مضمون کافی معلوماتی اور تجزیاتی ہے۔ بہتر ہے کہ ہم پہلے ان کے دلائل اور حوالے دیکھ لیں:

خالق کا اپنی مخلوق کے ساتھ رابطہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ گئے وقتوں میں خالق اور مخلوق میں بہت زیادہ بے تکلفی ہوا کرتی تھی، مخلوق اکثر اپنے خالق کے لیے دعوت (قربانی) کا انتظام کیا کرتی۔ خالق کو بھنے گوشت کی خوشبو بہت پسند تھی، اور اس گوشت کو کھانے کے لیے وہ اکثر زمین پر آیا کرتا تھا۔ خالق کے ساتھ مخلوق کا تعلق بہت ہی ایماندارانہ نوعیت کا ہوا کرتا تھا۔ خالق کی املاک کی بہت زیادہ حفاظت کی جاتی اور اس کے حصے کے کھانے کو بالکل بھی نہیں چھیڑا جاتا تھا۔

قدیم مصری عقیدے کے مطابق مرنے والے اپنی موت کے بعد دوات نامی زیر زمین علاقے میں پہنچتے ہیں، جہاں وہ حساب و کتاب کے لیے ماعت نامی دیوی کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔ وہاں انہیں منفی اعترافات کرنے پڑتے ہیں، کہ میں نے فلاں برا کام نہیں کیا۔ اگر وہ جھوٹ ہو تو اعتراف کرنے والے کے دل کا وزن بڑھ

جاتا ہے؛ بعد میں اس کے دل کا وزن کیا جاتا ہے اور اس وزن کے حساب سے سزا اور جزا کا تعین کیا جاتا ہے۔ خالق کی خوراک اور املاک کے حوالے سے چند منفی اعترافات:

"میں نے خدا کی املاک نہیں چرائی
میں نے خداؤں کی خوراک نہیں چرائی
میں نے خدا کے لیے مختص جانوروں کو (اپنے لیے) ذبح نہیں کیا۔"

(کتاب مردگان)

خالق نے زمین پر آکر کئی بار حضرت ابراہیم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ لیکن پھر پروردگار کو نہ جانے کیا سوجھی کہ حضرت یعقوب سے پنجہ آزمائی کر ڈالی اور نتیجتاً منہ کی کھائی۔ کشتی ہارنے کے بعد حضرت یعقوب نے خالق سے ان کا نام پوچھا تو نہ صرف خالق نے اپنا نام بتانے سے انکار کر دیا بلکہ ایسا بھاگا کہ زمین پر آکر اپنی مخلوق سے ملنا ہی ترک کر دیا۔ اس ناخوشگوار واقعہ کے بعد جب بھی خالق کو مخلوق سے ملنے کی خواہش ہوئی تو خالق نے مخلوق کو پہاڑوں پر بلالیا:

"اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں ہوتا تو اس کی ران کے اندر کی طرف سے چھوا، اور یعقوب کی ران کی نس اس کے ساتھ کشتی کرنے میں چڑھ گئی۔ اور اس نے کہا کہ جب تک مجھے برکت نہ دے، میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ تب اس نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے جواب دیا، یعقوب۔ اس نے کہا کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا، کیوں کہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا۔ تب یعقوب نے اس سے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں، تو مجھے اپنا نام بتادے۔ اس نے کہا تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اور اس نے اسے وہاں برکت دی۔"

(کتاب مقدس، عہد نامہ عتیق، باب پیدائش)

تاریخ ہمیں اٹھارویں صدی قبل مسیح میں حمورابی نامی بابلی بادشاہ کے متعلق بتاتی ہے، جسے مردوخ یا شمش نامی دیوتا پہاڑ پر بلاتا ہے اور اسے "ضابطہ حمورابی" نام سے مشہور

پتھر کی سلوں پر کندہ تحریر دیتا ہے۔ کچھ صدیوں بعد خالق حضرت موسیٰ کو کوہ سینائی پر بلاتا ہے اور انہیں پتھر کی سلوں پر کندہ دس احکامات تھما دیتا ہے، حضرت موسیٰ خالق سے اس کا نام پوچھتے ہیں لیکن خالق بڑی سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عبرانی میں کہتا ہے، "میں جو ہوں سو ہوں "(یعنی تم اپنے کام سے کام رکھو) اس زمانے میں یہ عقیدہ تھا کہ اگر کوئی خدا کا نام جان لے تو وہ خدا پر قابو پا لیتا تھا اور خدائی طاقت کو اپنی مرضی سے استعمال کر سکتا تھا۔ حضرت یعقوب والا حادثہ رب ذوالجلال اب تک بھولے نہیں تھے۔ خالق اور مخلوق میں دوریاں بہت تیزی سے بڑھ رہی تھیں۔

ساسانی دور حکومت کے ایران میں "اردا ویراف نمگ" کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی جس کا سن تحریر تقریباً 270 سال قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ زرتشتی عقیدے کے مطابق ژند اوستا کے بعد یہ دوسری اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں اردا ویراف نام کے ایک زرتشتی پادری کا ذکر ہے، جو اپنے خدا آہور مزدا سے ملنے کے لیے آسمانوں پر جاتا ہے لیکن چھ دن پر محیط اس کا یہ سفر جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہوتا ہے۔ اردا ویراف کی رہنمائی حضرت جبرائیل کی بجائے ادار نامی فرشتہ اور متقی سروش کر رہے ہوتے ہیں۔ سفر کے آغاز میں اردا ویراف کو چینوت پُل عبور کرنا ہوتا ہے، جو تلوار جتنا پتلا اور تیز ہے، اگر کوئی نیک آدمی آتا ہے تو وہ پُل بڑا ہو جاتا ہے اور وہ اس پر سے گذر جاتا ہے لیکن گناہگار لوگ اس پُل سے کٹ کٹ کر نیچے اہرمن کی دوزخ میں گر جاتے ہیں (پُل صراط؟)۔ ادار فرشتے کی مدد سے پُل پار کرنے کے بعد اردا ویراف "حوض کوثر" کی بجائے "روشنیوں کے شہر" پہنچتا ہے۔ اپنے اس سفر کے بعد اردا ویراف کو جنت اور جہنم کے مختلف حصوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اردا ویراف وہاں مختلف لوگوں سے ملتا ہے، جنہوں نے اپنی زندگی میں مختلف قسم کے گناہ یا نیکی کے کام کیے ہوتے ہیں۔

"چینوت پُل پار کرنے کے بعد متقی سروش اور ادار فرشتے نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ چلو آؤ تا کہ ہم تمہیں جنت اور دوزخ دکھائیں۔ اور وہ شان و شوکت اور آسانیاں اور خوشیاں اور مسرت اور خوشبوئیں و نکوکاروں کا اجر ہیں۔ ہم تمہیں وہ تاریکی، ذلت، بدقسمتی، تکلیف، شر، درد، ڈر، بیچارگی، اذیت، بدبو اور مختلف سزائیں بھی دکھائیں گے جس

سے گناہگار، راکھشس اور جادوگر دوچار ہوں گے۔ ہم تمہیں سچ اور جھوٹ کی جگہیں دکھائیں گے۔ ہم تمہیں ان نیکو کاروں کو دیا جانے والا اجر دکھائیں گے، جن نیکوکاروں کا آہور مزدا، عظیم فرشتوں، جنت و دوزخ پر ایمان تھا۔ اور دکھائیں گے خدا اور عظیم فرشتوں کی حقیقت اور اہرمن اور شیاطین کی غیر حقیقت، اور مرنے والوں کے دوبارہ اٹھنے کی حقیقت اور ان کو دیے جانے والے مستقبل کے بدن۔ ہم تمہیں دکھائیں گے جنت کے اندر آہور مزدا اور عظیم فرشتوں کا نیکوکاروں کو دیا گیا اجر۔ ہم تمہیں مختلف اذیتیں اور عذاب دکھائیں گے جو گناہگاروں کو اہرمن اور دیگر راکھشسوں کو جہنم کے اندر دی جائیں گی۔

"اس کے بعد میں نے رہ نجوم پر پاؤں رکھا...... اور میں نے متقی سروش اور ادار فرشتے سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے عبادت نہیں کی، گاتھا کے منتر نہیں پڑھے، نزدیکی رشتہ داروں سے شادی نہیں کی، انہوں نے حکومت بھی نہیں کی لیکن دوسرے اچھے اعمال کی وجہ سے یہ پارسا ٹھہرے۔"

اس کے بعد اردا رہِ آفتاب کے لوگوں سے ملتا ہے اور ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حاکم ہوئے اور انہوں نے بہت اچھی حکومت کی۔

وہاں سے گذر کر اردا جنت پہنچتا ہے، تو سب سے پہلے اسے وہ عورتیں ملتی ہیں جنھوں نے اچھا سوچا، اچھا بولا، اچھے کام کیے اور اپنے خاوندوں کی فرماں برداری کی، ان عورتوں کا لباس سونے، چاندی اور جواہرات سے جڑا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اردا جنت کے دیگر حصوں میں پھرتا ہے، جہاں اسے سونے کے تخت پر بیٹھی کئی روحیں نظر آتی ہیں جنھوں نے دنیا میں نیکی کے مختلف کام کیے تھے۔ اردا آگے بڑھتا رہتا ہے اور اس کے ہمراہی اسے بتاتے رہتے ہیں کہ کس آدمی نے دنیا میں کون سے نیک کام کیے جس کے بدلے اسے جنت میں یہ مقام عطا ہوا۔

جنت کے بعد اردا کو دوزخ کی جانب لایا جاتا ہے، پہلے اسے ایک پُل کے پاس سے گذرنا ہوتا ہے جس کے نیچے ایک بہت اداس قسم کا دریا بہہ رہا ہوتا ہے۔ اردا کو بتایا جاتا ہے کہ یہ دریا ان مردوں کے آنسوؤں سے بنا ہے جنھوں نے مرنے والوں کے

لیے ناحق آنسو بہائے۔ اس کے بعد اردا دوزخ کے اندر گنہگاروں کو دی جانے والی اذیت کے مناظر دیکھتا ہے، متقی سروش اور ادار فرشتہ تفصیل بتاتے ہیں کہ کس آدمی کو کس گناہ کی سزادی جارہی ہے:

”میں ایک جگہ آیا، میں نے ایک آدمی کی روح دیکھی، جو ایک سانپ کی طرح تھی، وہ ایک شعاع کی طرح اس کے منہ میں آجارہی تھی۔ بے شمار سانپ اس کے اعضا کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے۔ میں نے متقی سروش اور ادار فرشتے سے پوچھا؛ اس جسم نے کون سے گناہ کیے ہیں کہ اس کی روح اس شدید عذاب کا شکار ہے؟ متقی سروش اور ادار فرشتے نے بتایا؛ یہ ایک ایسے گناہگار کی روح ہے جو ہم جنسی کا مرتکب ہوا اور اس نے ایک مرد (کے عضو تناسل) کو اپنے جسم کے اندر آنے دیا۔ اب اس کی روح شدید عذاب سے دوچار ہے۔

”میں نے ایک آدمی کی روح کو دیکھا جس کے منہ میں حائضہ عورت کی گندگی ڈالی جا رہی تھی اور وہ اپنے بیٹے کو پکا کر کھارہا تھا۔ میں نے پوچھا؛ اس جسم سے کون سا گناہ سرزد ہوا کہ اس کی روح کو یہ عذاب دیا جارہا ہے۔ متقی سروش اور ادار فرشتے نے کہا؛ یہ اس نابکار آدمی کی روح ہے جس نے حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی۔

”میں نے ایک آدمی کی روح کو دیکھا جس کی زبان کو کیڑے کتر رہے تھے، میں نے پوچھا اس جسم سے کون سے گناہ سرزد ہوئے؟ متقی سروش اور ادار فرشتے نے بتایا کہ یہ ایک ایسے نابکار کی روح ہے جس نے بہت زیادہ جھوٹ بولے، یوں اس نے دیگر مخلوق کو نقصان پہنچایا۔

”میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھا جو اپنے دانتوں سے اپنی لاش کو چبا رہی تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کی روح ہے؟ متقی سروش اور ادار فرشتے نے بتایا کہ یہ ایسی بدکار عورت کی روح ہے جو جادو کرتی تھی۔“

آخری دن اردا ویراف کو ساتویں آسمان پر لے جایا جاتا ہے، جہاں اسے خدائے بزرگ و برتر کا دیدار نصیب ہوتا ہے، وہاں ارداویراف کو پتہ چلتا ہے کہ آہورمزدا کی کوئی شکل نہیں ہے بلکہ وہ ایک ابدی نور ہے۔ اس کے بعد ارداویراف کی روح زمین پر اس کے جسم میں واپس آجاتی ہے۔“ (مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے: ”ارداویراف نمگ“)

شب معراج کو نبی کریم کو بھی ان کی خواہش پر دوزخ کا ڈھکنا اٹھا کر اس کے عجائبات دکھائے جاتے ہیں۔ آپ نے بھی ارداویراف کی طرح مختلف لوگوں کو شدید عذاب میں مبتلا دیکھا:

"پھر میں نے وہ لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کی طرح تھے، ان کے ہاتھ میں آگ کے گولوں کی طرح کے پتھر تھے جنہیں وہ منہ میں ڈالتے تھے اور وہ ان کے مقعد سے باہر نکلتے تھے، مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال کھا جایا کرتے تھے۔

"پھر میں نے چند لوگ دیکھے، ان جیسے پیٹ میں نے کبھی نہیں دیکھے، جب وہ جہنم میں لائے جاتے ہیں تو ان پر جیسے پیاسے اونٹ گذر جاتے ہیں اور ان میں ہلنے کی سکت نہیں ہوتی۔ یہ سود خور تھے۔

"پھر میں نے وہ لوگ دیکھے جن کے سامنے چکنا فربہ گوشت تھا، اور اس کے ساتھ دبلا (دبلے جانور کا) اور بدبودار گوشت بھی، اور وہ لوگ چکنے اور فربہ گوشت کی بجائے وہی دبلا اور بدبودار گوشت کھا رہے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ تھے جو ان عورتوں کو حلال ٹھہرائی گئی تھیں، ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پاس جاتے تھے۔

"پھر میں نے ایسی عورتیں دیکھیں جو اپنی چھاتیوں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ یہ وہ تھیں جنھوں نے (اپنے) مردوں کے پاس ایسا بچہ داخل کرا دیا جو ان کا اپنی اولاد میں سے نہیں تھا۔" (محمد بن اسحاق: سیرت رسول اللہ)

غلام رسول صاحب کا مضمون کافی مدلل بھی ہے اور تفصیلی بھی۔ انہوں نے آگے چل کر بتایا کہ ام ہانی جو حضرت ابو طالب کی بڑی بیٹی تھیں، اور جن سے کبھی محمد شادی کرنا چاہتے تھے، ان کے گھر یہ رات گذاری تھی جسے شب معراج کا نام دے دیا گیا۔ لیکن چونکہ ہمارا یہ موضوع نہیں ہے، چنانچہ اس سے قطع نظر میں صرف معراج اور مجوسی قصوں میں مشابہت پر ہی ٹکے رہنا بہتر سمجھتا ہوں۔

محولہ بالا "ارداویراف نمگ" کے علاوہ زرتشتوں کے پاس اسی موضوع پر ایک اور قصہ ہے، جس میں صدیوں پہلے خود زرتشت کے آسمان پر جانے کا حال بیان ہوا ہے، اس نے وہاں دوزخ کا مشاہدہ بھی کیا اور اہرمن کو بھی دیکھا۔ یہ قصہ پارسیوں کی کتاب "زرتشت نامہ" میں تفصیلی طور پر مندرج ہے۔ اس قسم کے افسانے فقط ملک ایران میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے بت پرستوں کے

درمیان بھی مروج ہیں۔ سنسکرت کی ایک کتاب "اندرلوک کی سیر" میں ایک شخص کی نسبت جس کا نام ارجن ہے، اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے بھی آسمان کا سفر کرکے ہر ایک شے کا مشاہدہ کیا۔ اس نے اِندر کا آسمانی قصر دیکھا جس کا نام دیونتی ہے جو ایک وسیع و عریض باغ میں واقع ہے۔ اس آسمانی باغ کے درمیان میں ایک درخت بھی ہے جس کا نام "پکشجتی" ہے۔ اس میں جو پھل لگتا ہے، اسے "امرتیہ" یعنی حیات جاوداں کہتے ہیں۔ جو کوئی اسے کھالے، پھر کبھی نہ مرے۔ یہ درخت بالکل مسلمانوں کے "طوبےٰ" سے ملتا ہے۔ ایسا ہی ایک درخت زرتشتوں کے یہاں بھی ہے جسے ژند اوستا میں "خوابہ" اور پہلوی میں "حومپا" کہا گیا ہے۔ ٹسڈل کہتا ہے کہ اس درخت کا ذکر بدعتی عیسائیوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ بالخصوص "وصیت نامہ ٔابراہیم" کے علاوہ ایک اور کتاب جو "رویائے پولوس" کے نام سے مشہور ہے، اس میں بھی اس کا ذکر ہے۔ پہلی کتاب میں تو ابراہیم کے معراج کا ذکر ہے اور دوسری میں مقدس پولوس کے معراج کا بیان ہے کہ کس طرح دونوں ایک مقرب فرشتے کی رہنمائی میں آسمان پر گئے اور وہاں ہر چیز کا مشاہدہ کیا۔ ابراہیم کے بارے میں اس کتاب کی سورت اول، فصل 10 میں جو لکھا ہے، اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

> مقرب فرشتہ میکائیل نازل ہوا اور ابراہیم کو کروبی کی سواری پر بٹھلا کر آسمان کی طرف لے اڑا اور اس کو مع ساٹھ فرشتوں کے بادلوں پر لے آیا۔ تب ابراہیم کو اس سواری کے ذریعہ سے سارے عالم کی سیر کرائی۔"

واضح رہے کہ اس سواری کا نام احادیث میں "براق" آیا ہے۔ عبرانی میں اس کا نام "باراق" یعنی برق ہے۔ اور یہ جو مسلمانوں کا ایک خیال ہے کہ آدم کی جنت آسمان پر تھی، اس کا علم بھی بعض دوسری کتابوں مثلاً "رویائے پولوس" میں ملتا ہے (فصل 45)۔ اب خواہ ہندوؤں اور زرتشتوں نے اپنے یہاں ان باتوں کا محولہ بالا کتب کے ذریعہ حاصل کیا ہو یا عیسائیوں کی کتابوں میں اس کا ذکر ہندوؤں اور زرتشتوں کے خیالات پر مبنی ہوں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ باتیں محض پادر ہوا ہیں ۔ چنانچہ اس قصے کی نقلوں پر نقلیں مرتب ہوتی گئیں اور ہر نقل میں کچھ معمولی سا ترمیم و اضافہ کرلیا گیا۔

بہشت، دوزخ اور ان کے متعلقات

قرآن و حدیث میں جنت، حور و غلمان، جنات و ملک الموت کے جو اذکار مندرج ہیں، ان سے

تقریباً ہر مسلمان واقف ہے، چنانچہ اس کا حوالہ دینا میں ضروری نہیں سمجھتا۔ ان تمام اذکار کا ماخذ زرتشتی تعلیمات ہیں، کیوں کہ ادیان ابراہیمی کے صحائف میں یہ ضرور ملتا ہے کہ دین داروں کے لیے آخرت میں ایک آرام کی جگہ مقرر ہے جسے آغوش ابراہیم یا جنت یا بہشت کہتے ہیں لیکن ان میں غلمان وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہاں، یہ تصورات ہندوؤں اور زرتشتوں کی کتابوں میں ضرور مل جاتے ہیں جو قرآن و حدیث سے کافی مشابہ ہیں۔ مثلاً سورۃ رحمٰن میں حوروں کی جو تعریف کی گئی ہے، وہ قدیم زرتشتوں کی کتاب یعنی پریوں کے باب میں اسی قسم کی مل جاتی ہے۔ ان کے مطابق پریاں ہوا میں رہتی ہیں اور جن کا علاقہ ستاروں میں ہے۔ ان کا حسن اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ انسان اس کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ علما جو سوائے عربی کے اور کچھ نہیں جانتے، لفظ "حور عین" کو عربی سمجھتے ہیں جو حار سے مشتق ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا مصدر یعنی اصل ژند اوستا اور پہلوی زبان میں ہے۔ اوستا کے لفظ "حوری" کے معنی آفتاب کے ہے۔ پہلوی میں وہی لفظ "ہو" ہے۔ عربی نے اسی فارسی حور کو اپنی زبان میں لے لیا مگر اس لوگ اس کی اصل بھول گئے اور سمجھ بیٹھے کہ آنکھوں کی سیاہی کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑا جو عربی لفظ "حار" کے معنی ہیں۔

قدیم ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اسی قسم کے آسمانی لڑکوں اور لڑکیوں کا تصور موجود تھا۔ اہل اسلام جن کو حور و غلمان کہتے ہیں، ہندو انہیں اپسرا اور گندھر و کہتے ہیں۔ چنانچہ منو کے دھرم شاستر کے باب 7 میں لکھا ہے، "شاہان زمین جب ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کی آرزو میں برسر پیکار ہوتے ہیں اور مقابلے سے منہ نہیں پھیرتے تو آسمان کو جاتے ہیں۔" اور اسی طرح "کلو پاکھیانم" میں اندر نے راجہ نل سے یوں کہا، "دنیا کے عادل محافظ جو جنگجو اور جانثار ہیں، جو وقت پر منہ نہیں موڑے اور شمشیر بدست موت کا مقابلہ کرتے ہیں، یہ عالم باقی انہیں کی میراث ہے۔"

لفظ "جنت"

واضح رہے کہ لفظ "جنة" بھی عربی نہیں ہے۔ اگر یہ لفظ فعل "جنّ" سے نکلا ہوتا تو اس کی شکل جنین بروزن قلیل ہوتی۔ اصل میں یہ لفظ اوستا کے لفظ جینیٰ سے مشتق ہے۔ جنت کو فارسی میں بہشت کہتے ہیں، یہ اوستا کے لفظ "دہشتوئے" کا مشتق ہے جس کے معنی ہیں کامل اور سب سے عمدہ۔ زرتشتی جنت کو "دہشتواہو" یعنی جہان بہترین کہتے ہیں۔

آدم کا ہنسنا اور رونا

حدیث میں مذکور ہے کہ محمد نے معراج میں آدم کو دیکھا جو داہنی طرف کے لوگوں کو دیکھ کر ہنستے تھے اور بائیں طرف کے لوگوں کو دیکھ کر روتے تھے، یہ بھی وصیت نامہ ٔ ابراہیم میں موجود ہے البتہ وہ مرے ہوئے لوگوں کی روحیں ہیں، جب کہ احادیث کے مطابق یہ ان لوگوں کی روحیں ہیں جو اب تک پیدا نہیں ہوئیں۔

ملک الموت کا تصور

ملک الموت کا تصور بھی مسلمانوں کو اہل یہود سے ملا ہے۔ ان کے یہاں بھی اس فرشتے کا لقب عبرانی میں وہی ہے لیکن اس کے نام میں فرق ضرور ہے۔ یہود اسے سمائیل کہتے ہیں جب کہ مسلمان عزازیل۔ لیکن یہ نام بھی عربی نہیں بلکہ عبرانی ہے جس کے معنی ہیں نصرۃ اللہ۔ اس فرشتے کا ذکر یہودیوں کے صحیفے میں موجود ہے لیکن یہودیوں نے اس کے بارے میں اور جو کچھ لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ بیان کہیں اور سے لیا ہے اور غالباً اس کا ماخذ کتاب اوستا ہے، جہاں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پانی یا آگ یا مثل اس کے دیگر شے میں غرق ہو جائے یا جل مرے تو اس کو ہلاک کرنے والا پانی یا آگ نہیں بلکہ ملک الموت ہے جس کو اوستا میں استوویدھوتش کہتے ہیں۔

نور محمدی

نور محمدی کا قصہ جو سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد نے فرمایا اول شے جسے خدا نے پیدا کیا میرا نور ہے۔ پھر "روضتہ الاحباب" میں مرقوم ہے کہ محمد نے کہا کہ جب آدم پیدا ہو چکے تو خدا نے اس نور کو ان کی پیشانی پر رکھا اور کہا اے آدم! یہ نور جو تیری پیشانی پر میں نے رکھا ہے، اس کا ہے جو تیری اولاد میں سب سے نجیب اور بہتر ہے اور میرے نبیوں کا سردار ہے۔ آگے لکھا ہے کہ وہ نور آدم سے شیث اور شیث سے اس کی اولاد میں پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا عبداللہ بن عبدالمطلب تک پہنچا اور بالآخر آمنہ کے حمل میں جاگزیں ہوا۔ یہ افسانہ بھی زرتشتوں کی کتابوں میں موجود ہیں۔ کتاب مینوخرد میں جو ساسانیوں کی عہد میں بزبان پہلوی تصنیف ہوئی، یوں لکھا ہے کہ خالق نے اس جہان کو اور اپنی تمام مخلوق کو مقرب فرشتوں کو اور عقل انسانی کو اپنے خاص

نور کی مدد سے پیدا کیا۔ ایک اور کتاب "یمہ خشتیہ" (یہ کتاب اب جمشید کے نام سے معروف ہے)جو مینو خرد سے بھی قدیم تر ہے، اس میں بھی اسی نور کا ذکر ہے۔ان دونوں قصوں کو ملانے سے پتہ چلتاہے کہ اوستا کے مطابق جمشید پہلا آدمی تھا جس کو خدا نے روئے زمین پر پیدا کیا، گویا وہ آدم یعنی ابوالبشر کی جگہ پر ہے۔

پُل صراط

قرآن میں "الصراط" یعنی دوزخ کے اوپر پُل کی بابت امام غزالی کہتے ہیں، "یہ دوزخ پر ایک پُل ہے جو تلوار سے تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ کافروں کے پاؤں اس پر سے پھسلیں گے اور وہ تقدیر الٰہی کے موافق دوزخ میں گریں گے۔ لیکن مومنین کے پاؤں خدا کے فضل سے اس پر جم کر پڑیں گے اور وہ پُل سے گذر کر جنت الفردوس میں پہنچیں گے۔" (احیائے علوم الدین)

لیکن حقیقت دوسری ہے۔ لفظ "صراط" قدیم فارسی کے لفظ "چنیوت" سے ماخوذ ہے اور یہ خیال سراسر زرتشتی دین سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں متکلم کہتا ہے کہ وہ اس واسطے خدا کی پرستش کرتا ہے کہ دوزخ کے سخت عذاب سے بچ کر اور چنیوت سے گذر کر مبارک مقام میں پہنچے۔ [ینابیع الاسلام (اردو)]

عبادات

ان تمام باتوں کا ذکر جو مسلمانوں نے زرتشتوں سے پائیں، بہت ہی طویل ہو گا، چنانچہ میں یہاں مزید تین چار باتوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ زرتشتی ہر روز پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں جن کا نام "رتو" ہے مگر اس معاملے میں زرتشتوں اور صائبین کے درمیان مطابقت ہے کیوں کہ مسلمانوں کی پنج وقتہ نماز صائبین کی ہفت وقتی نماز کے پانچ وقتوں کے مطابق ہے۔

قدیم مذہب زرتشت میں نماز کے پانچ اوقات:

- ہاوان گاہ (فجر): طلوع آفتاب سے 36 منٹ قبل سے لے کر دوپہر 12:39 تک
- راپتھ وان گاہ (ظہر): 12:40 دوپہر سے لے کر سہ پہر 3:39 بجے تک۔
- اوزیرین گاہ (عصر): سہ پہر 3:40 بجے سے لے کر غروب آفتاب کے بعد بجے سے

لے کر غروب آفتاب کے بعد 36 منٹ تک۔

- ایوسترن گاہ (مغرب): غروب آفتاب کے بعد 72 منٹ سے لے کر رات 12:39 تک۔
- اوشاہن یا عشاہن گاہ (عشا): رات گئے 12:40 بجے سے لے کر صبح طلوع آفتاب سے بجے سے لے کر صبح طلوع آفتاب سے 36 منٹ قبل۔
- مسلمانوں کے ہاں اذان کا تصور بھی پارسیوں سے مستعار ہے، البتہ وہ گھنٹی بجا کر نماز کی اطلاع دیتے ہیں۔
- جس طرح مسلمانوں کے ہاں نماز شروع کرنے سے قبل وضو لازمی ہے، اسی طرح پارسیوں کو بھی اپنی نماز شروع کرنے سے قبل چہرہ اور بازو دھونے کا حکم موجود ہے۔
- جس طرح عام مسلمانوں میں سر پر ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کی روایت عام ہے، اسی طرح زرتشتی افراد کے لیے بھی نماز کی ادائیگی کے وقت سفید رنگ کی ٹوپی پہننا لازمی قرار دیا جاتا ہے۔
- مسلمان جس سمت نماز ادا کرتے ہیں، اسے قرآن نے قبلہ قرار دیا ہے، اسی طرح آتش کدہ کا وہ کمرہ جہاں آگ رکھی جاتی ہے، پارسی نمازیوں کا قبلہ قرار پاتا ہے جس کی طرف منہ کر کے وہ اپنی نماز ادا کرتے ہیں۔
- جس طرح مسلمانوں کے لیے دوران نماز قرآن کی سورتوں کو ان کی اصلی عربی زبان میں پڑھنا لازمی ہے، اسی طرح پارسی نمازی اپنی پرستش کے دوران اوستا کی سورتوں کو اصلی زبان میں تلاوت کرتے ہیں۔

("اسلامی نماز اور مجوسی نماز میں حیرت انگیز مشابہت"؛

A Guide to Our Prayers

Author: Tehmurasp Shawaksha Pardiwala

Published by: Zoroastrian Radih Society; Parel, Mumbai, India

سلمان فارسی

اب اگر کوئی مسلمان معترض یہ کہے کہ محمد زرتشتوں کے قصوں اور رسوم کو پسند کر کے

قرآن و احادیث میں کیسے داخل کر سکتے ہیں جب کہ وہ امی تھے۔" روضتہ الاحباب" میں مرقوم ہے کہ محمد کی عادت تھی کہ ہر سفیر سے جو آپ کے پاس آتے تھے، آپ کچھ نہ کچھ ان کی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے اور چونکہ اس طرح بعض اوقات زبان فارسی بھی بولنے کا اتفاق پڑا، اس وجہ سے فارسی الفاظ بھی عربی زبان میں مروج ہو گئے۔ سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث(3458) میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ " نبی دوپہر کو چلے، میں بھی چلا، پھر میں نے نماز پڑھی، پھر میں بیٹھا، پھر نبی صلعم میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا أشكَمَتْ دَرْدْ کیا تیرے پیٹ میں درد ہے؟ میں بولا، ہاں۔" یہ جملہ محمد نے فارسی میں بولنے کی کوشش کی تھی۔

ایک اور حدیث سن لیں: "آنحضرت نے جبرئیل سے فرمایا، 'سلمان کو عربی زبان سکھلا دو۔' جبرئیل نے فرمایا، 'ان سے کہئے کہ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا منہ کھول دیں۔' سلمان نے ایسا ہی کیا اور جبرئیل نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ اسی وقت سلمان نہایت صاف عربی میں گفتگو کرنے لگے۔"("سیرت حلبیہ"، جلد اول، ص602)

محو محولہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کہ جب جبرئیل محمد کے حکم پر سلمان فارسی کی زبان میں اپنی زبان ڈال کر عربی بولنا سکھا سکتا تھا تو پھر محمد کو تو وہ دنیا کی ہر زبان اور ہر علم سکھانے پر قادر تھا۔

معتزلہ کے ایک مشہور عالم سید امیر علی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ قرآن نے پہلے کے ادیان سے بہت کچھ لیا ہے، خود ان کے الفاظ میں؛"بہشت اور حوران بہشت کی اصل زرتشتی دین سے ہے۔ دوزخ اور عذاب دوزخ کا ماخذ تالمود ہے اور دین محمدی انتخابی دین ہے۔" (The Spirit of Islam)

بہر حال اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اہم ذرائع کون سے تھے، جس سے محمد نے زرتشتوں کے عقائد کی جانکاری ملی۔ ایک ذریعہ کا ذکر تو ہم پہلے ہی تفصیلی کر چکے ہیں کہ محمد کے زمانے میں اور اس سے پہلے اہل ایران عربوں کے ساتھ بودوباش کرتے رہے تھے اور چونکہ ایرانیوں نے زمانۂ جاہلیت کے عربوں سے کہیں زیادہ علوم و شائستگی و تہذیب و ملک داری میں ترقی کی تھی، اس لیے یہ بات لازمی تھی کہ ان کے دین و رسوم و علوم کا بہت بڑا اثر ان عربوں پر پڑے۔ لیکن دوسرا ذریعہ بھی کچھ کم اہم نہ تھا، اور اس ذریعہ کا نام سلمان فارسی تھا۔ آیئے ہم اس ذریعہ کو بھی ٹٹولنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مشہور صحابیٔ رسول سلمان فارسی "روزبہ" میں پیدا ہوئے۔ سلمان فارسی کو یہ اعزاز بھی

حاصل ہے کہ وہ پہلے فارسی (Persian) تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ انہیں پیغمبر اسلام کا قرب حاصل تھا اور وہ ان کے مشیر کار بھی تھے۔ انہی کے مشورے پر مدینہ میں کفار مکہ کے ایک حملے کے دوران خندق کھدوائی گئی تھی، جسے ہم "جنگ خندق" کے نام سے جانتے ہیں۔ سلمان فارسی پہلے زرتشتی تھے، پھر انہوں نے عیسائیت قبول کی اور بعد ازاں مدینہ میں محمد سے ملاقات کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق انہیں مدائن (عراق) کا گورنر بھی نامزد کیا گیا۔ شیعوں کی کچھ معروف روایات کے مطابق انہیں بھی "اہل بیت" میں شمار کیا جاتا ہے۔ محمد کی وفات کے بعد سلمان فارسی علی ابن ابی طالب کے عقیدت مند اور پیروکار کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

اگرچہ تمام سیرتوں کی کتب میں سلمان فارسی کا ذکر کافی تفصیلی آیا ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے کی زندگی اور پھر قبول اسلام کے بعد محمد کی ان سے قربت اور ان کی بار بار فضیلت کا ذکر احادیث اور سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہیں، اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی ایرے غیرے صحابی نہ تھے بلکہ تمام صحابیوں میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ ہم یہاں مختصر میں ان کی حالات زندگی، ان کے اسلام سے پہلے کے عقائد اور ان کے علم وغیرہ پر کچھ حوالے درج کر رہے ہیں تاکہ بغیر تبصرے کے یہ واضح ہو جائے کہ اس علم کے سمندر سے محمد نے زرتشت مذہب اور اس کے عقائد کے تعلق سے کیا کیا حاصل کیا۔

> میں اصفہان کے اطراف میں ایک گاؤں میں رہتا تھا، میرے والد مجھ سے اس درجہ محبت کرتے تھے کہ دوشیزہ کی طرح مجھے گھر میں رکھتے تھے لیکن میں نے مجوسی مذہب کے آداب ورسوم انجام دینے میں اس درجہ کوشش کی کہ آتش کدہ کا خادم بن گیا۔

(اسد الغابہ، جلد 2، ص328؛ طبقات ابن سعد، جلد 4، ص75؛ سیرہ ابن ہشام، جلد 1، ص228)

سلمان فارسی کسی یہودی کے غلام تھے جس کا ذکر بار بار تمام سیرت کی کتابوں میں معمولی اختلاف کے ساتھ آیا ہے۔ جب سلمان نے محمد کے سامنے جاکر اسلام قبول کیا تو محمد نے سلمان سے کہا "سلمان! تم اپنی آزادی کے لیے اپنے آقا سے مکاتبت یعنی ایک خاص معاہدہ کرلو۔ سلمان فارسی نے اپنے آقا سے تین سو کھجوروں کے پودے اور چالیس اوقیہ سونے پر معاہدہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق سلمان نے پودے لگانے کے لیے گڑھے کھودے جس میں دوسرے مسلمانوں نے ان کی مدد کی۔ جب گڑھے تیار ہوگئے تو خود محمد نے ان پودوں کو گڑھوں میں لگایا۔ القصہ

سلمان فارسی کھجور کے پودوں کی ادائیگی سے فارغ ہوگئے۔اب مسئلہ چالیس اوقیہ سونے کا رہ گیا تھا۔ایک دن رسول اللہ سونا بھی لے آئے جو مرغی یا کبوتر کے انڈے کے برابر تھا، جسے انہوں نے سلمان کے سپرد کر دیا اور وہ اپنے آقا کو دے کر غلامی سے آزاد ہوگئے۔ لیکن کیا وہ واقعی آزاد ہوگئے یا اپنی غلامی کا پٹہ محمد کے نام لکھ دیا تھا؟ "حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے سلمان کو خود اتنے اتنے درہم میں خرید لیا تھا۔" (سیرت حلبیہ (اردو)، جلد اول، نصف اول، ص 604-607 ؛"سیرت ابن ہشام، حصہ اول، ص 221)

میرے خیال میں بریدہ کی روایت سے ظاہر ہے کہ سلمان نے ان تین سو کھجوروں کے پودے اور مرغی یا کبوتر کے انڈے کے برابر سونے کے عوض محمد کو ڈائناسور کے انڈے سے زیادہ بڑا علم سے نوازا اور جب تک محمد زندہ رہے، وہ ان کے کام آتے رہے۔ سلمان کے علم اور محمد کے نزدیک ان کی فضیلت کا ذکر درج ذیل حوالوں سے آشکار ہیں۔

ایک دن حضرت سلمان پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت نے کافی اکرام واحترام کیا اور یہ بات عمر کو ناگوار گذری لہٰذا انہوں نے فرمایا: یہ عجمی جو اہل عرب سے آگے بیٹھا ہے کون ہے؟ پیغمبر ان کی بات سے ناراض ہوئے اور فرمایا:

ان الناس من عهد آدم الی یومنا هذا مثل اسنان المشط ،لا فضل لعربی علی العجمی ولا للاحمر علی الاسود الا بالتقوی سلمان بحر لا ینزف و کنز لا ینفد سلمان منا اهل البیت سلسل یمنح الحکمة ویوتی البرهان۔

لوگ حضرت آدم سے لے کر اب تک کنگھے کی شاخ کی مانند ہیں، کوئی عربی عجمی پر ،اور سرخ، گورا، سیاہ پوست، کالے پر فضیلت وبرتری نہیں رکھتا سوائے تقوی کے سلمان بے پایاں سمندر اور ختم نہ ہونے والا خزانہ ہیں، سلمان ہم اہل بیت سے ہیں وہ ایسا چشمہ ہیں جس سے علم وحکمت ظاہر ہوتا ہے اور اس سے دلیل وبرھان وجود میں آتی ہے۔ (الاختصاص ص 341 بحار ج22 ص 331)

پیغمبر اسلام کے اصحاب اور حضرت علی کے شیعوں میں کوئی بھی علم میں حضرت سلمان کے برابر نہیں تھا، کیونکہ آپ نے اپنی زندگی میں علم حاصل کیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبر اسلام کی نشستوں میں آپ کے علم میں بیشتر اضافہ ہوا ،یہاں تک کہ ہمارے یہاں بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سلمان

(دوسرے)لقمان حکیم ہیں حتی کہ لوگ آپ کو گذشتہ وآیندہ کا علم رکھنے والا محدث کہتے ہیں۔(اسد الغابہ ج 2ص 331 ،رجال کشی ص 16 ح 27 وص12 ،25بحار ج 22 ص 347 الاختصاص ص 11)

حسن بن منصور کہتے ہیں؛ میں نے امام صادق سے عرض کی: کیاحضرت سلمان محدث تھے ؟ فرمایا: ہاں میں نے کہا کس نے انہیں حدیث کی تعلیم دی ؟ فرمایا: فرشتہ نے(رجال کشی ص19 ح 44)

حضرت امام باقر سے روایت ہے کہ علی علیہ السلام محدث تھے اور سلمان محدث یعنی ملائکہ دونوں حضرات سے باتیں کرتے تھے۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ سلمان کا محدث ہونا یہ کہ ان کے امام ان سے حدیث بیان کرتے اور اپنے اسرار ان کو تعلیم کرتے تھے،نہ یہ کہ براہ راست خدا کی جانب سے ان کو کلام پہنچتا تھا۔ کیوں کہ حجت خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو خدا کی جانب سے کوئی بات نہیں پہنچتی۔ علامہ مجلسی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ یہاں جس امر سے نفی کی گئی ہے، ممکن ہے وہ خدا کا بے واسطہ ملک کلام کرنا ہوااور فرشتے جناب سلمان سے گفتگو کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مقام پر حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلمان کے محدث ہونے کا مطلب یہ کہ ایک فرشتہ ان کے کان میں باتیں کرتا تھا۔ دوسری جگہ ہے کہ ایک بڑا فرشتہ ان سے باتیں کرتا تھا۔ ایک شخص نے تعجب سے دریافت کیا جب سلمان ایسے تھے تو پھر امیر المومنین علیہ السلام کیسے رہے ہوں گے۔ حضرت نے جواب دیا اپنے کام سے سروکار رکھو ایسی باتوں سے غرض مت رکھو(یعنی کرید نہ کرو)۔

میں پہلے ہی یہ روایت نقل کر چکا ہوں کہ جبرائیل نے محمد کے حکم پر کس طرح سلمان فارسی کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال کر انہیں عربی بولنا سکھایا۔ چنانچہ کچھ عجب نہیں کہ محمد کے علاوہ سلمان فارسی کے پاس بھی جبرائیل آتا رہا ہو اور ان کے منہ میں قرآن ڈال کر چلا جاتا ہو جسے بعد میں سلمان فارسی، محمد کے سامنے دہرا دیتے ہوں۔

بیضاوی اور مدارک وغیرہ جیسی تفسیروں میں مرقوم ہے کہ سورۃ نحل میں بہت سے اور لوگوں کے ساتھ سلمان فارسی کی طرف بھی یہ اشارہ ہے کہ وہ انہیں سکھاتا ہے۔ قصہ مختصر، خود

محمد کے زمانہ میں یہ بات طشت از بام ہو چکی تھی کہ آپ سلمان فارسی سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اسے ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں بچتا کہ زرتشتوں کی کتابیں بھی دین اسلام کے سر چشموں میں سے ایک ہیں۔ چنانچہ جو لوگ احادیث کو مجوسی سازش کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور قرآن کو ہی اسلام کی اصل سمجھتے ہیں، ان کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ اب اپنے مؤقف پر نظر ثانی کریں کہ قرآن بھی مجوسیت سے آلودہ ہے۔ تو تم زرتشت کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یہودی عقائد ورسوم کے اثرات

اسلام پر یہودیوں کا کافی بڑا قرض ہے اور یہ باب انہی کے احسانات پر مبنی ہے۔ لیکن میں شروع میں ہی اس کی وضاحت کر دوں کہ اس باب میں بنیادی مقدمہ (یعنی نفس موضوع) کے ساتھ ساتھ کئی ایسے ذیلی مقدمات بھی شامل ہیں جن کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ مثلاً کیا واقعی توریت یا انجیل تحریف شدہ ہیں جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے؟ کیا واقعی قرآن توریت کی تحریف کی تصدیق کرتا ہے؟ قرآن میں شامل قصص اور افسانے توریت سے مستعار ہیں یا یہودیوں کی حدیثوں سے؟ کیا امّی کے معنی ناخواندہ ہوتے ہیں؟ کیا محمد پڑھنا لکھنا بالکل نہیں جانتے تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ مباحث ہیں جو علاحدہ مضمون کے متقاضی ہیں لیکن ہمارے موضوع سے بھی ان کا براہ راست یا بالواسطہ رشتہ ہے جن پر نظر ثانی کیے بغیر ہم اپنے بنیادی مقدمے کو مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔ چنانچہ میں نے کوشش کی ہے کہ جہاں جہاں ان ذیلی مقدمات کی وضاحت کی ضرورت آن پڑی ہے، وہاں ان سے صرف نظر کرنے کی بجائے ان پر مختصر طور پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

مسلمان کہتے ہیں کہ قرآن میں سابقہ صحائف سماوی کی باتوں کا وارد ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں، کیوں کہ ان کا خدا ایک ہی ہے اس لیے ان قصوں کا شامل ہونا اس امر پر مہر صداقت ثبت کرتا ہے کہ قرآن بھی آسمانی کتاب ہے۔ کچھ مسلمان اس کی توجیہ میں اس آیت کو بھی پیش کرتے ہیں: "اور یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ یعنی اس نے تمہارے دل پر اس کا القا کیا ہے تاکہ لوگوں کو خبردار کرتے رہو۔ اور القا بھی فصیح و بلیغ عربی زبان میں کیا ہے اور اس کی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔" (سورہ الشعراء: 192,196)

اب اس دعوے کی قلعی یوں کھل جاتی ہے کہ قرآن کو شاید خود ہی یہ پتہ نہیں کہ اس میں درج بیشتر قصے اور کہانیاں پہلے پیغمبروں کی کتابوں (توریت اور انجیل) میں نہیں بلکہ ان کتابوں کے مفسرین اور ان کے امتیوں کی جمع کردہ احادیث کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ اینڈرسن شا نے اپنے ایک مضمون "قرآن اور اسرائیلیات" میں ان کتابوں کا تعارف تفصیلی طور پر دیا ہے، ملاحظہ ہو:

قرآن نے افسانوں اور خرافات سے بھرے عہد نامہ قدیم و جدید کی ہی تصدیق نہیں

کی بلکہ تالمود اور مدراش کی بھی تصدیق کی جو خرافات کی سب سے بڑی فیکٹریاں ہیں۔ لفظ تالمود "لمد" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں علم حاصل کرنا، جاننا، پڑھنا۔ یا عربی میں تعلم، عرف، درس، چنانچہ تالمود کے معنی پڑھنے کے ہیں جو عربی لفظ "تلمیذ" (طالب علم یا اسٹوڈنٹ) کے قریب ہے۔ تالمود مشنات اور جمارا پر مشتمل ہے۔ مشنات کے بارے میں یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کی زبانی منقول شریعت ہے جو چھ حصوں یا مباحثوں پر مشتمل ہے۔ لفظ مشنات یا مشناہ "شنہ" سے مشتق ہے جس کا عربی میں مطلب "ثنّی" یعنی راجع اور اعاد بنتا ہے جس سے قرآن میں مذکور لفظ "المثانی" یاد آتا ہے جو اگر تالمود میں چھ ہیں تو قرآن میں سات ہیں (آتیناك سبعاً من المثان) رہا جمارا تو وہ مشنات پر بحث پر مشتمل ہے۔ تالمود دو طرح کے ہیں؛ ایک بابلی اور ایک ارشیلی۔ تالمود کی تکمیل چھٹی صدی عیسوی میں ہوئی۔ رہا مدراش تو اس کی حیثیت اسلام کی کتب تفاسیر کی سی ہے، یعنی اسے یہودی "مولویوں" نے توریت کی وضاحت اور تاویل کے لیے لکھا۔ لفظ "مدراش" کا مطلب بھی پڑھنا، تلاش اور تاویل ہے، جس کی اصل "درش" ہے اور یہ عربی لفظ "درس" سے قریب ہے۔ مدراش کی تحریریں دوسری اور تیسری صدی عیسوی تک پھیلی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے بعض تحریروں کی درست ترین تاریخ کا تعین کیا جاسکتا ہے جو اسلام سے پہلے یا بعد میں لکھی گئیں تھیں۔ قرآن میں انبیاء کے بیشتر قصے تالمود اور مدراش سے لیے گئے ہیں، ماسوائے عاد اور ثمود کے قصے، کیونکہ یہ خالصتاً عربی قصے ہیں جو یہودیوں کے ہاں مذکور نہیں۔

(قرآن اور اسرائیلیات: اینڈرسن شا: جرأت تحقیق)

اس مقدمے پر اظہار خیال سے پہلے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اس کے پس منظر پر ایک غائرانہ نظر ڈال لیں:

جون 622ء میں جب محمد مدینہ میں داخل ہوئے تو تقریباً 150 مہاجرین ان کے ساتھ تھے۔ اگرچہ اہل مدینہ محمد کے دعویٰ رسالت پر متفق نہ تھے تاہم انہوں نے محمد کو بخوشی خوش آمدید کہا۔ مدینہ اسلام کا مرکز بن گیا اور پھر یہیں سے بعد میں معرکہ آرائی کے احکام جاری ہوئے۔

مدینہ میں یہودیوں کی ایک بڑی بھاری اور سرکردہ جماعت تھی اور ابتدا میں محمد کو ان سے

کافی امیدیں تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ الہام اور وحی کے باب میں بہت کچھ واقفیت رکھتے تھے۔ محمد نے انہیں پر جانے کے لیے بیان دیا کہ اسلام، یہودیت اور مسیحی دین سب ایک ہی اصل یعنی کتب سماوی پر مبنی ہیں۔ اس فقرے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ محمد کو یہ امید تھی کہ یہودی اسلام کو من جانب اللہ قبول و تسلیم کرلیں گے اور کم از کم محمد کو اہل عرب کے لیے رسول من اللہ تسلیم کرلیں گے۔ لہٰذا، محمد نے یہودیوں کے بعض حقوق قائم رکھے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک رکھا جیسا ان لوگوں کے ساتھ تھا جن سے باہمی عہد وپیمان ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں دینی امور میں بھی محمد نے یہودیوں کو بہت سی باتوں میں آزاد اور مطلق العنان چھوڑا ہوا تھا۔ اس کا مقصد واضح تھا کہ محمد یہودیوں سے دوستی گانٹھنے کے لیے فکر مند تھے اور اس سلسلے میں انہوں نے کافی کوششیں بھی کیں۔ مثلاً انہوں نے یہودیوں کی دیکھا دیکھی یروشلم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کردی۔ عید کفارہ پر جو کہ مہینے کی دسویں تاریخ کو ہوتی تھی، یہودی روزہ (روزۂ عاشورہ) رکھتے تھے اور قربانیاں کیا کرتے تھے۔ محمد نے بھی اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ بھی ایسا ہی کیا کریں۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب سوم یوم عاشورہ میں روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ جب مدینہ میں آئے تو یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے پایا۔ آپ نے ان سے اس کی بابت دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ آج کے دن اللہ نے موسیٰ کو فرعون پر فتح بخشی تھی اور ہم اسی کے ادب کی خاطر اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ نبی صلعم نے فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ موسیٰ کے قریب ہیں اور اس دن کے روزے کا حکم فرمایا۔" قصہ مختصر، اس طرح محمد نے یہودیوں کے لیے اسلام میں داخل ہونا آسان کردیا۔ ان لوگوں سے محمد کو کافی فائدہ پہنچا اور ان سے سلف کی کتب سماوی کی نسبت بہت کچھ سیکھا، حتیٰ کہ لوگ یقین کرنے لگے کہ ان کتابوں میں آپ کی بعثت کے متعلق پیشن گوئیاں مندرج ہیں۔ بار بار ان لوگوں کا حوالہ دیا گیا اور انہیں محمد اپنی رسالت کے گواہوں کے طور پر پیش کرتے رہے لیکن اس کے باوجود اکثر یہودیوں نے آپ کے رسالت کے دعوے کو مسترد کردیا کیوں کہ وہ جس نبی کے انتظار میں تھے، وہ داؤد کی نسل سے آنے والا تھا۔ چنانچہ ابن اسحاق کہتا ہے کہ "کئی یہودی معلم اور ربی، حضرت محمد کے سخت دشمن ہوگئے چونکہ خدا نے اہل عرب میں سے اپنے لیے ایک رسول چنا، اس لیے وہ حسد سے بھر گئے، پھر بھی بعض یہودیوں نے خائف ہو کر حضرت محمد اور ان کے نئے دین کو قبول کرلیا۔" یہودیوں کی دشمنی اور مخالفت محمد پر اسی طرح بھاری پڑی جس طرح مکہ میں اہل قریش کی۔ اہل یہود آپ کو صرف لڑائی اور ملکی معاملات میں ہی نقصان نہیں

پہنچاتے تھے بلکہ انہوں نے اسلام کی سخت نکتہ چینی اور طعن و تشنیع کے مہلک تیروں سے بھی محمد کے ناک میں دم کرر کھا تھا۔ چنانچہ اب محمد نے یہودیوں کے تعلق سے پینترا بدلا۔

سورۃ انعام زمانہ ٔآخر کی مکی سورتوں میں سے ہے لیکن اگر غور سے اس سورۃ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ آیت 91 کا اضافہ ضرور بالضرور مدینہ میں ہی انجام دیا گیا۔ پہلے اس آیت پر ایک نظر ڈال لیتے ہیں جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

> اور ان لوگوں نے خدا کی قدر جیسی جاننی چاہیے تھی، نہ جانی۔ جب انہوں نے کہا کہ خدا نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہو جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے، اسے کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کرر کھا ہے، ان (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔ اور تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو (اس کتاب کو) خدا ہی نے (نازل کیا تھا) پھر ان کو چھوڑ دیا کہ اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔

مندرجہ بالا آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد نے توریت پر تحریف کا الزام نہیں لگایا بلکہ کچھ آیات کے "چھپانے" کا ذکر کیا ہے۔ محمد کا مطلب صاف ہے کہ یہودی تورات کی تفسیریں غلط پیش کرتے ہیں تا کہ انہیں جھٹلا دیں اور ان کے دعووں کو مسترد کر دیں۔ ممکن ہے کہ جس طرح قرآن کی ہزاروں تفسیریں پیش کی جاتی رہی ہیں اور ہر تفسیر دوسری تفسیر سے علاحدہ ہوتی ہے، اسی طرح یہود بھی توریت کی تفسیریں پیش کرتے رہے ہوں۔ لیکن تفسیروں کی بنیاد پر جس طرح قرآن کو تحریف شدہ قرار نہیں دیا جا سکتا، اسی طرح توریت کو تحریف شدہ قرار دینا غلط ہو گا۔ سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ المائدہ وغیرہ کی بھی کچھ آیات کو ہمارے علما جواز کی شکل میں پیش کرتے ہیں کہ توریت میں تحریف ہوئی ہے۔ چونکہ مجھے ڈر ہے کہ میں نفس موضوع سے کہیں دور نکل نہ جاؤں، لہٰذا یہاں ان آیات پر تفصیلی رائے پیش کرنے کی گنجائش نہیں پاتا لیکن ان تمام آیات میں جو مدنی ہیں، کہیں بھی کھلم کھلا یہ نہیں کہا گیا کہ توریت میں تحریف ہوئی ہے بلکہ یہ دعویٰ الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ کیا گیا ہے کہ یہودی انہیں اس لیے چھپاتے ہیں تا کہ محمد کے منصب رسالت کی بشارت کی تصدیق نہ ہو سکے۔ مجھے پورے قرآن میں کہیں بھی ایک ایسی آیت نہیں ملی جس میں یہ واضح طور پر کہا گیا ہو کہ توریت میں کوئی تحریف یا تبدیلی کی گئی ہو بلکہ اس کے

برخلاف سورۃ المائدہ (آیت نمبر 44) میں توریت کی صحت پر اصرار کیا گیا ہے؛

بے شک ہم نے توریت نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرماں بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیوں کہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سے قیمت نہ لینا اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہے کہ اگر توریت کی تحریف و تنسیخ ہو جاتی تو قرآن اسے ہرگز صحیح اور قابل قبول نہ گردانتا۔ پھر وہ اسی آیت میں توریت کی نگہبانی کا بھی ذکر کر رہا ہے۔ چنانچہ جو مسلمان توریت کی تحریف و تنسیخ کی بات کرتے ہیں دراصل وہ خود قرآن کی توہین و تکذیب کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یعنی اگر قرآن نے توریت کی حفاظت و نگہبانی کا دعویٰ کیا تو وہ محض دعویٰ تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ محمد کو خود توریت کی صحت پر کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اب یہودیوں سے کوئی غرض و مطلب نہیں تو یہی بہتر سمجھا کہ اس کو غیر معتبر قرار دے دیں، حتیٰ کہ قبلہ بھی یروشلم سے مکہ منتقل کر دیا۔ پھر شروع ہوا محمد کے منتقمانہ مزاج کی گھڑ دوڑ، جس نے مدینہ کے تینوں یہودی قبیلے یعنی بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریضہ کو روند ڈالا، ان کے قلعوں اور زراعتی فارموں پر قبضہ کر لیا، ان کے مردوں کو قتل کر دیا، ان کے بچوں اور عورتوں کو غلاموں کے بازار میں بیچ دیا گیا۔ محمد نے ان کی کچھ عورتوں کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا اور ریحانہ نام کی خوب صورت دوشیزہ کو اپنے لیے منتخب کر لیا لیکن ریحانہ نے جب محمد سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تو محسن انسانیت نے اسے بغیر نکاح کے ہی اپنے حرم میں ڈال لیا۔

توریت کی تحریف و تنسیخ کی رد میں آخری دلیل یہ پیش کی جا سکتی ہے کہ قرآن کا دعویٰ کسی دوسری کتاب کے لیے حجت تسلیم نہیں کیا جا سکتا چونکہ وہ خود آسمانی کتاب ہونے کا مدعی ہے لہٰذا ایک مدعی اپنا گواہ نہیں ہو سکتا۔ کیا مسلمانوں کے پاس وہ توریت موجود ہے جس سے موجودہ توریت کا موازنہ کیا جا سکے جس کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ وہ تحریف شدہ ہے؟

خیر، اس پس منظر کے بعد اب ہم نفس موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث روایت ہے کہ "نبی صلعم ہم لوگوں سے بنی اسرائیل کی حدیثیں بیان کرتے کرتے صبح

کر دیتے تھے، جب تک انہیں نماز کا خیال نہ آجاتا۔" اس حدیث سے واضح ہے کہ محمد یہود کے قصص اور افسانوں سے جو ان کے درمیان مروج تھے، اچھی طرح واقف ہو گئے تھے۔ اگر قرآن و حدیث کی تعلیمات کا ان قصص اور افسانوں سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک پختہ اور یقینی رشتہ ہے۔ یہاں یہ عذر لنگ بیکار ہے کہ رسول ناخواندہ تھے، اس لیے وہ یہودیوں کی کتابیں نقل کرنا تو کجا پڑھ بھی نہیں سکتے تھے۔ عموماً اس کی شہادت سورۃ اعراف کی آیت 157 کے فقرے "الرسول النبی الامی" دی جاتی ہے۔ لیکن اگر یہی دلیل محمد کے امی ہونے کی ہے تو پھر قرآن نے تو اہل عرب کو بھی امی کہا ہے (ملاحظہ فرمائیں سورۃ جمعہ کی آیت 2، سورۃ آل عمران کی آیت 20)۔ حالاں کہ اہل عرب میں پڑھے لکھے اور ان پڑھ سب تھے لیکن چونکہ وہ علم دین اور کتب سماوی سے بے بہرہ تھے، اس لیے ان کو ایسا لقب دیا گیا اور یہ اصطلاح بھی یہودیوں کی تھی۔ اہل اسلام کی اصطلاح "جاہلیت" ہے جو قرآن میں بھی آیا ہے۔ اسلام کے قبل جتنا زمانہ گذرا، سب کو اسی میں شمار کیا جاتا ہے۔

چنانچہ محمد کو اُمّی کہہ کر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ناخواندہ یا ان پڑھ تھے۔ علاوہ بریں محمد کے گھر میں اہل کتاب کے صحائف پڑھنے اور لکھنے والے بھی تھے مثلاً حبیب بن مالک اور عبداللہ بن سلام جو اگرچہ صحیح اور مستند کتابوں سے پوری طرح واقف نہ تھے تو بھی روایتوں اور قصے کہانیوں کو کچھ نہ کچھ ضرور جانتے تھے جو اس زمانے کے یہودیوں کے درمیان مروج تھیں۔ اگر اسے تسلیم کرنے میں کسی کو تامل ہے تو پھر وہ مجھے بتلائے کہ اہل یہود کی وہ حدیثیں آپ نے کہاں سے سیکھی تھیں جو رات بھر آپ اپنے اصحاب کو سنایا کرتے تھے؟ بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ محمد پڑھ بھی سکتے تھے اور لکھ بھی سکتے تھے۔ صلح حدیبیہ کا قصہ مشہور ہے کہ محمد نے علی کے ہاتھ سے قلم لے کر خود "محمد رسول اللہ" میں سے "رسول اللہ" کو کاٹ دیا اور اس کی جگہ "ابن عبداللہ" لکھ دیا۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے صلح حدیبیہ کے بیان میں لکھی ہے۔ پھر زندگی کے آخری دنوں میں جب محمد بستر مرگ پر تھے تو ارشاد کیا کہ ایک دوات اور سفید کاغذ میرے پاس لاؤ، میں ایک وثیقہ اور کتاب تم کو لکھ دوں تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ یہ حدیث شیعوں اور سنیوں کے مباحثوں میں کافی مشہور ہے۔ اس کو ابن عباس نے روایت کیا ہے اور بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے۔ اور بالفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ محمد ناخواندہ تھے تو اس کا کیا یہ مطلب ہوا کہ ان کی سماعت بھی مصلوب تھی؟ کیا وہ یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ کی تعلیمات اور قصص، حکایت

اور عقائد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے پر بھی قادر نہیں تھے؟ جب کہ آپ کے علاقے میں بڑے بڑے یہودی قبائل سکونت پذیر تھے اور چپے چپے پر عیسائیوں کے معبد تھے اور راہبوں کی خانقاہیں موجود تھیں۔

جب ہم قرآن کی پڑتال کرتے ہیں تو ہمیں وہاں وہی قصے کہانیاں اور روایتیں ملتی ہیں جو بلا تحقیق صرف عوام الناس سے سن سنا کر حاصل ہو سکتی تھیں۔ ان روایات کا ماخذ یا تو "تالمود" (یہودیوں کی حدیث کی کتاب) ہے یا افسانوں کی وہ کتابیں جو یہودیوں کے درمیان آج تک موجود ہیں، جس کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم اور دیگر پیغمبروں کے حالات کے متعلق جن کا ذکر توریت میں بھی ہوا ہے، لیکن جو کچھ قرآن میں مندرج ہوا، سب کا سب یہودیوں کی انہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جو توریت کی بجائے یہودیوں کی حدیث و کتب تفسیر یعنی" تالمود" اور "مدراش" سے ماخوذ ہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں، کچھ قصے پیش کیے جاتے ہیں۔ کلیئر ٹسڈل نے ان قصوں کا پول کھولنے میں کافی محنت کی ہے اور اس کا ثمر اسے ہی ملنا چاہیے۔ میں ان قصوں اور اس کے تجزیاتی پہلوؤں کو محض اپنی زبان میں پیش کرنے کا سزاوار ہوں۔ ٹسڈل نے ان واقعات کا کافی تفصیلی طور پر ذکر کیا ہے اور قرآن اور یہودیوں کی کتابوں میں مندرج دونوں عبارتوں کا موازنہ نہایت عرق ریزی سے پیش کیا ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے میں ان کا یہاں صرف اشارتاً ذکر کرنے پر مجبور ہوں۔ جو حضرات ان سرقوں پر تفصیلی مطالعے کے خواہش مند ہوں، وہ کلئیر ٹسڈل کی کتاب "The Original Sources of the Qur'an" کا مطالعہ ضرور کریں۔ یہ کتاب آن لائن دستیاب ہے۔

پہلا قصہ ہابیل و قابیل کا

قرآن میں آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ سورہ مائدہ، آیت نمبر 27 تا 32 میں مذکور ہے۔ یہودیوں کی روایتوں میں دونوں بھائیوں کی یہ فرضی گفتگو کئی طرح سے بیان ہوئی ہے۔ تارگوم جوناتھن اور تارگوم یروشلمی (Targum of Jonathan and Targum of Jerusalem) میں مرقوم اس قصے اور قرآن کی مذکورہ بالا آیات میں مندرج قصے میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ وہاں تو کوّے سے قائن (جس کو عربی کتابوں میں قابیل لکھا گیا ہے) کو مردہ گاڑنا سکھایا جب کہ یہاں آدم کو۔ سنی سنائی بات ہونے کے سبب یہ فرق پیدا ہوا تھا۔ اس کا ایک بہت بڑا ثبوت خود

قرآن میں موجود ہے، یعنی اس قصے کے تعلق سے جو آخری آیت ہے "اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو قتل کرے گا، (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں، پھر اس کے بعد بھی ان سے بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال سے گذر جاتے ہیں۔" (سورہ المائدہ: 32) اس کا اس قصے سے کیا ربط ہے، واضح طور پر معلوم نہیں پڑتا۔ اس جگہ یہ کلام بالکل بے جوڑ ہے اور مفسرین قرآن کے پاس اسے مذکورہ قصے سے ربط دینے کا کوئی سامان موجود نہیں ہے لیکن اس عقدے کا حل ہمیں کتاب عبرانی "مشناہ سنہدرین" (Mishnah Sanhedrin) کے باب 4، آیت 5 میں توریت کی اس آیت کی تفسیر میں ملتا ہے۔ وہ آیت کچھ یوں ہے، "تب خدا نے قائن سے کہا تو نے کیا کیا؟ تیری بھائی کا خون زمین سے مجھ کو پکارتا ہے۔" (پیدائش، باب 4، آیت 10) اصل عبرانی میں یہ لفظ خون صیغہ جمع یعنی "خونہا" استعمال ہوا ہے۔ مفسرین عبرانی نے اس لفظ کی رعایت سے اس میں یہ پہلو پیدا کیا ہے، "قائن جس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا، اس کی نسبت یہ فرمایا گیا کہ تیرے بھائی کے خون پکارتے ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ 'تیرے بھائی کا خون' بلکہ 'تیرے بھائی کے خون' تا کہ یہ بات روشن ہو جائے کہ جس کسی نے بنی اسرائیل میں سے ایک جان کو مار ڈالا تو موافق نوشتہ گویا اس نے ساری نسل کو جلا ڈالا۔"

محولہ بالا تفسیر کو ایک بار نہیں کئی بار پڑھیں اور غور کریں تو یہ بات مزید وضاحت کی محتاج نہیں رہتی کہ قرآن میں یہ قصہ توریت سے براہ راست نہیں بلکہ توریت کے عبرانی مفسر کا قولی ترجمہ ہے، لیکن چونکہ ایک جزو لے لیا اور باقی کو چھوڑ دیا، لہٰذا قرآن کی عبارت بے ربط محسوس ہو رہی ہے۔

دوسرا قصہ ابراہیم کے آگ سے بچ جانے کا

یہ قصہ قرآن میں مکمل طور پر ایک جگہ نہیں ملتا بلکہ تھوڑا تھوڑا متفرق مقاموں پر جا بجا آیا ہے۔ سورہ بقرہ، سورہ انعام، سورہ انبیاء، سورہ مریم، سورہ شعراء، سورہ عنکبوت، سورہ صافات، سورہ زخرف اور سورہ ممتحنہ میں ٹکڑوں کی شکل میں یہ قصہ موجود ہے۔ لیکن انبیاء کے حالات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً قصص الانبیاء اور عرائس المجالس وغیرہ، ان میں ایک ترتیب و سلسلہ کے

ساتھ اس کا بیان ہوا ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ یہ قصہ خواہ قرآن میں ہو یا حدیث کی دوسری کتابوں میں، سب کا سب یہودیوں کی ایک پرانی کتاب سے ماخوذ ہے جس کا نام "مدراش رباہ"(Midrash Rabba) ہے۔

اس قصے کا موازنہ بھی کلیئر ٹسڈل نے اپنی کتاب میں کافی تفصیلی کیا ہے، لیکن اس سے قطع نظر ہم براہ راست نتیجے تک پہنچتے ہیں۔ جب ہم اس قصے کو یہودیوں کی کتابوں اور قرآن سے ملا کر دیکھتے ہیں تو برائے نام فرق پاتے ہیں جس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ محمد نے اسے ان کتابوں سے نقل نہیں کیا بلکہ یہودیوں کی زبانی سن سنا کر اسے تسلیم کر لیا اور قرآن میں شامل کر دیا۔ یہ محض قیاس نہیں بلکہ اس کا ثبوت خود قرآن میں موجود ہے۔ محمد نے قرآن میں ابراہیم کے باپ کا نام "آزر" لکھا ہے۔ حالاں کہ مدراش رباہ میں توریت کے اعتبار سے اس کا نام "تارح" آیا ہے لیکن یونانی مورخ یوسی بیوس (Eusebius: 263-339 AD) جس کی تاریخ کا ترجمہ سریانی یعنی شامی زبان میں بھی ہوا تھا، ابرہیم کے باپ کا نام "آثر" لکھتا ہے۔ اب یہ بات تو خیر بتانے کی ضرورت نہیں کہ محمد کو تجارت کے سلسلے میں اکثر شام کے سفر کا اتفاق ہوا تھا، چنانچہ انہوں نے وہیں یہ نام سنا ہو گا اور کمزور یادداشت کے سبب "آثر" کا "آزر" لکھ دیا۔ ایرانیوں نے اکثر اسی آزر کو اپنی زبان کی مناسبت سے "آذر" بھی لکھا ہے جس کے معنی "آتش" کے ہیں۔

مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ محمد نے اس قصہ کو نہ یہود سے لیا اور نہ نصاریٰ سے بلکہ جبرائیل نے بلاواسطہ انہیں وحی کے ذریعہ دیا اور اب یہودیوں نے بھی اسے قبول کر لیا ہے، چونکہ وہ بھی ابراہیم کی اولاد ہیں۔ لیکن شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس افسانہ کو ماننے والے یہودیوں میں صرف عوام الناس شامل ہیں (جیسے کئی غلط روایتوں پر آمنا صدقنا کہنے والے مسلمان مل جاتے ہیں)، لیکن جو یہودی علماء ہیں ان کے نزدیک یہ افسانہ بے بنیاد ہے۔

اب سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ یہ افسانہ کہاں سے پیدا ہو گیا؟ واضح ہو کہ توریت، کتاب پیدائش، باب 15، آیت 7، میں جہاں خلیل اللہ کی ہجرت کا ذکر لکھا ہے، وہاں خدا نے ان سے فرمایا، "میں خداوند ہوں جو تجھ کو کلدانیوں کے اور سے نکال لایا"۔ بابلی زبان میں "اور" کے معنی ہیں شہر۔ اس بابلی لفظ "اور" کا ہم شکل ایک اور کلدانی لفظ "اُر" ہے جس کے لغوی معنی شعلہ و آتش کے ہیں۔ مدتوں بعد ایک عبرانی مفسر جوناتھن بن عزئیل (Jonathan Ben Uzziel) نے توریت کا ترجمہ کلدانی زبان میں کیا۔ یہ شخص زبان بابلی زبان سے بالکل ناواقف تھا۔ اس کو ان

دونوں لفظوں کے درمیان التباس واقع ہوا اور اس نے بابلی "اور" کو کلدانی "اُر" سمجھ لیا اور آیت کا ترجمہ یوں کر دیا، "میں خداوند ہوں جو تجھ کو کلدانیوں کے آگ کے تنور سے نکال لایا۔" اب یہ صاحب جب اس آیت کی شرح کرنے بیٹھے تو مطلب حل نہ ہوا، چنانچہ ہمارے خطیبوں کی طرح اس نے اپنی خطیبانہ شرح میں یہ تمام قصہ بیان کر ڈالا۔ اب یہ غور طلب بات ہے کہ کسی ناواقف شخص کا اس قسم کی غلطی سے متاثر ہو جانا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن حیف کہ اس فرضی افسانے کو خاتم الانبیاء حق سمجھ لے جس کا یہ دعویٰ ہو کہ اللہ نے وحی کے ذریعہ اسے یہ "فرضی افسانہ" سنایا اور اس پر یہ اضافی دعویٰ کہ یہ قصہ لوح محفوظ میں مندرج ہے۔ افسوس، اس غلطی سے اہل یہود کے معمولی محققین تک محفوظ ہیں لیکن لوح محفوظ نہیں۔

اس ضمن میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نمرود جس کا ذکر ان یہودی قصوں میں آیا ہے، توریت کے مطابق ابراہیم کی پیدائش سے صدیوں قبل گذرا ہے، چنانچہ دونوں کو یکجا کرنا خلاف عقل بھی ہے اور خلاف تاریخ بھی۔ اگرچہ نمرود کا نام قرآن میں نہیں آیا لیکن تفاسیر و احادیث میں بیان کیا گیا سارا قصہ تو وہی ہے جس کی نسبت یہاں اعتراض ہے۔ یہ بات بالکل ویسی ہی ہے جیسے کسی تاریخ میں یہ ذکر ملے کہ سکندر اعظم نے نادر شاہ کو آگ میں ڈال دیا تھا۔ ایسی غلطی وہی شخص کر سکتا ہے جسے اس بات کی مطلق خبر نہ ہو کہ دونوں کے زمانے میں کیا تفاوت ہے اور نادر شاہ کی موت یوں واقع نہیں ہوئی تھی۔

تیسرا قصہ ملکہ سبا یعنی بلقیس اور سلیمان کی ملاقات

قرآن میں جو کچھ اس باب میں آیا ہے، اگر اس قصہ کو یہودیوں کی کتاب تارگوم ثانی استھر (Second Targum Esther) سے ملائیں تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس افسانے کو بھی محمد نے یہودیوں سے محض سن کر پسند فرمایا اور یوں اس کو قرآن میں جگہ مل گئی۔ سورہ نمل میں اس قصہ کی تفصیل دیکھ ڈالیے، چیونٹیوں کا لشکر، اڑتے جانور اور ان کی گفتگو، ملکہ ٔسبا کو سجدہ، سلیمان کا اسے خط بھیجنا، تخت کا بیان، بلقیس کی پنڈلیوں کا ذکر وغیرہ سے کچھ تارگوم ثانی سے ماخوذ ہے۔ فرق صرف تخت کے بیان میں ہے لیکن بقیہ قصہ من و عن ہے، حتیٰ کہ نامہ بر پرندے بھی آپس میں مشابہت رکھتے ہیں۔ قرآن میں اس نامہ بر کو "ہدہد" کہا گیا ہے جب کہ تارگوم ثانی میں "چکور" اگر اس معمولی فرق سے کوئی یہ کہے کہ قرآن کا قصہ وحی پر مبنی ہے تو اس پر مسکرانے کے علاوہ کچھ

نہیں کیا جاسکتا۔

خاطر نشان رہے کہ اس واقعے کے ضمن میں جو باتیں قرآن میں ادھوری چھوڑ دی گئیں، انہیں حدیثوں میں پورا کر دیا گیا، اور اس کی وجہ صاف تھی کہ لوگوں کی زبانی جیسا سنا اور پھر جو کچھ اس میں یاد رہ گیا، وہی درج کر لیا۔ قرآن میں جو سلیمان کا دیووں اور جنوں وغیرہ پر مسلط ہونے کا ذکر ہے، وہ بمطابق افسانہ ہائے تار گوم ثانی ہے۔ اب چونکہ محمد خود بھی اپنی قوم کی طرح دیووں اور جنات کے قائل تھے، اس لئے انہوں نے اس پر تحقیق کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسے من وعن قبول کر لیا۔ چنانچہ وہ افسانہ جو یہودیوں میں ہمیشہ ایک افسانہ ہی رہا، مسلمانوں کے لیے وحی سماوی بن گیا، کیوں کہ محمد نے سمجھا کہ یہ قصہ بھی توریت میں اسی طرح مذکور ہوگا جس طرح ان کے یہودی دوستوں نے انہیں سنایا ہے۔

چوتھا قصہ ہاروت وماروت کا

اور ان (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی، بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور ان باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت اور ماروت پر اتری تھیں۔ اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے، جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعۂ) آزمائش ہیں۔ تم کفر میں نہ پڑو۔ غرض لوگ ان سے (ایسا) جادو سیکھتے، جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ اور خدا کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو ان کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا، اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، وہ بری تھی۔ کاش وہ (اس بات کو) جانتے۔ (سورہ بقرہ: 102)

اگرچہ قرآن کی محولہ بالا آیت میں ہاروت اور ماروت کا تعارف مل جاتا ہے لیکن تفسیروں میں ان کے تعلق سے کوئی خاص تفصیل نہیں نظر آتی، البتہ یہودیوں کی ''تالمود'' میں دو تین جگہ تفصیلات مل جاتی ہیں۔ ان دونوں قصوں کو جب ہم آپس میں ملا کر دیکھتے ہیں تو صرف یہی فرق نظر

آتا ہے کہ قرآن میں ان فرشتوں کو ہاروت اور ماروت کہا گیا ہے جب کہ مدراش میں شمخزی اور عزائیل۔ اب ذرا ہاروت اور ماروت کی اصل بھی جان لیجیے۔ اس نام کے دو بت تھے جن کی قدیم ارمنستان کے باشندے پوجا کرتے تھے، اس کا تذکرہ ارمنی مورخوں نے کیا ہے۔ ایک ارمنی مصنف کے مطابق، "البتہ ہوروت اور موروت دیوتا تھے۔ آغری طاغ اور اپینا بیغ کے علاوہ شاید اور بھی تھے، جن کے بارے میں اب کوئی معلومات نہیں، اسپاندارامیت (Spandaramit) جو مادہ کی دیوی تھی، مدد گار خیال کیے جاتے تھے۔" واضح رہے کہ Spandaramit مادہ کی ایک دیوی ہے جس کی قدیم زمانہ میں ایرانی پرستش کیا کرتے تھے کیوں کہ زرتشتی بھی اسے زمین کی روح کہتے تھے۔ آمینا بیغ ارمنیوں کے نزدیک انگورستان کا دیوتا تھا اور ہاروت و ماروت کو وہ زمین کی روح کا مدد گار سمجھتے تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق یہ وہ روحیں تھیں جو ہوا پر مسلط ہیں اور ہواؤں کو مجبور کرتی تھیں کہ پانی کے بادلوں کو جمع کریں۔ ان کا مسکن اونچا پہاڑ آغری طاغ تھا، وہاں سے وہ مینھ برساتی تھیں جس سے زمین پیداوار کے عمل سے گذرتی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہاروت و ماروت اصل میں ہواؤں کے حاکم خیال کیے جاتے تھے۔ ہندوؤں کی قدیم کتاب "رِگ وید" میں "سروَتا اور امرتا" نامی دیوتاؤں کا ذکر آیا ہے جن کو وہ ہواؤں اور طوفانوں کا دیوتا سمجھتے تھے۔ اغلب ہے کہ ان بت پرستوں کے افسانوں کو ترمیم و اضافہ کے ساتھ یہودیوں نے اپنا قصہ گڑھ ڈلا اور اسے تالمود میں داخل کر لیا اور پھر وہی قصہ ان کی زبان سن سنا کر محمد نے بھی اس میں کچھ عمداً اور کچھ سہواً ترمیم و اضافہ کے ساتھ قرآن میں درج کر دیا، رہی سہی کسر احادیث نے پوری کر دی۔

اب میں پیغمبروں کے ساتھ ساتھ کچھ قرآنی افسانوں کا بھی یہودیوں کی کتابوں سے موازنہ کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ یہ امر خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ قرآن کوئی الہامی کتاب نہیں ہے بلکہ اب تک جتنے سرقے دکھائے گئے ہیں، اور آئندہ جتنے دکھائے جانے والے ہیں، ان سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ قرآن کا اپنا اثاثہ کچھ نہیں ہے، اگر کچھ ہے تو وہ صرف محمد کی نجی خواہشات اور خانگی معاملات پر مشتمل ہے جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

کچھ قرآنی افسانے

(1) سورہ اعراف کی آیت 171 میں قرآن کہتا ہے:

اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا، گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرتا ہے تو (ہم نے کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرو تاکہ بچ جاؤ۔

جلالین اور دوسرے مفسرین کے مطابق جب یہودیوں کو توریت عطا ہوئی تو انہوں نے اس کو قبول کرنا نہ چاہا، تب خدا نے ان کو ڈرانے کے لیے کوہ طور ان کے سروں پر اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ یہ قصہ یہودیوں کے ایک کتابچہ "Abodah Zarah" کے باب 2، فصل 2 میں آیا ہے، جس کے ایک جملہ کا ترجمہ یہ ہوتا ہے، "میں نے اڑھا دیا تمہارے اوپر پہاڑ گویا وہ سرپوش تھا۔" توریت میں اس افسانے کا کوئی ذکر ہمیں نہیں ملتا، اس کی جگہ کتاب خروج، باب 32، آیت 19، میں صرف یہ مندرج ہے کہ جب موسیٰ پہاڑ سے اترے اور دیکھا کہ بنی اسرائیل گوسالہ پوجنے لگے تو ان کا غضب بھڑکا اور انہوں نے تختیاں اپنے ہاتھ سے پھینک دیں اور پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالیں۔ یہاں پہاڑ کے نیچے سے مراد صاف ہے کہ انہوں نے پہاڑ کے تلے تختیاں پٹک کر توڑ ڈالیں لیکن توریت کے مفسرین کی تسلی اس سے نہیں ہوئی اور انہوں نے وہ قصہ تراش لیا جس کی اصل ہندوؤں کا وہ افسانہ ہے جس کے تحت شری کرشن نے گوکل بستی کے باشندوں کو بارش سے امان دینے کے لیے گوبردھن پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ لیا اور کئی روز اسے اپنی انگلی کے سرے پر لیے کھڑے رہے اور پہاڑ ان لوگوں پر چھتری کی طرح تنا رہا۔

(2) سورہ طٰہٰ کی آیت 87 میں سامری پر کچھ یوں روشنی ڈالا گیا ہے:

تو اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا بنا دیا (یعنی اس کا) قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی۔ تو لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے۔ مگر وہ بھول گئے ہیں۔

یہودیوں کا یہ قصہ "Pirqey Rabba Eli'ezer" کے جز 45 میں کچھ یوں آیا ہے، "اور بچھڑا آواز دے کر باہر آیا اور بنی اسرائیل نے اس کو دیکھا۔ ربی یہودا فرماتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں سمائیل (Sammael) چھپا ہوا بچھڑے کی آواز نکالتا تھا کہ بنی اسرائیل کو گمراہ کر دے۔" یہ قصہ نہ الہامی ہے، نہ تاریخی بلکہ اس کی موجد یہودیوں کی قوت متخیلہ ہے۔ قرآنی قصہ میں "سمائیل" کا نام سامری بیان ہوا ہے۔ یہ ایک ذرا سی سماعی غلطی ہے۔ واضح ہو کہ سامری نام عہد عتیق و عہد جدید

میں کئی جگہ آیا ہے۔ یہودی سامریوں کو اپنا دشمن تصور کرتے تھے لیکن موسیٰ کے زمانہ میں اس نام کا وجود بھی نہیں تھا کیوں کہ شہر سامرہ جس سے سامری منسوب ہوا، موسیٰ کے 400 سال بعد وجود میں آیا۔ ایسا لگتا ہے کہ جب یہودیوں نے اس گوسالہ کے متعلق سامئیل کا نام لیا تو محمدؐ نے اسے سامری سمجھا یعنی وہ نام جو ان کے درمیان کافی مشہور تھا اور جسے محمدؐ خوب اچھی طرح جانتے تھے، چنانچہ وہ یہی سمجھے کہ سامریوں سے یہود کو اسی گوسالہ کے سبب عداوت ہو گئی تھی۔

(3) سورہ بقرہ کی آیت 55-56 میں بیان ہوا ہے:

اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ! جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے، تم پر ایمان نہیں لائیں گے، تو تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو از سر نو زندہ کر دیا، تاکہ احسان مانو۔

یہودیوں کے ہاں یہ قصہ "Sanhedrin" باب 5 میں کچھ یوں آیا ہے، "بنی اسرائیل نے خدا سے دو باتیں چاہیں یعنی یہ کہ وہ لوگ اس کا جلال آنکھوں سے دیکھیں اور اس کی آواز کانوں سے سنیں اور ان کی دونوں عرضداشتیں قبول ہوئیں لیکن انہیں برداشت کرنے کی تاب نہ تھی، کیوں کہ جب وہ لوگ طور پر پہنچے اور خدا ان پر ظاہر ہوا تو اس کی آواز سنتے ہی ان کی روحیں فنا ہو گئیں۔ پھر خود توریت خدا کے آگے ان کی وکیل بنی اور فوراً ان کی روحیں ان کے قالبوں میں واپس آگئیں۔"

(4) سورہ یونس کی آیت 90 تا 92 میں فرعون کا بحر قلزم سے بچ جانے کا تذکرہ یوں بیان ہوا ہے:

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور تعدی سے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ جب اس کو غرق (کے عذاب) نے آپکڑا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ جس (خدا) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرماں برداروں میں ہوں۔ (جواب ملا کہ) اب (ایمان لاتا ہے) حالاں کہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔ تو آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کیلئے عبرت ہو۔ اور بہت سے لوگ ہماری

نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی یہ خوش فہمی بھی غلط ہے کیوں کہ اس کی نشانیاں ہمیں توریت میں نہیں بلکہ "Pirqey Rabba Eli'ezer" کی فصل 43 میں مل جاتی ہیں، "توبہ کی طاقت دیکھو۔ فرعون شاہ مصر نے کس انتہا تک خدا سے بغاوت کی۔ وہ کہتا تھا خدا کون ہے کہ میں اس کی سنوں۔ آخر کار اسی زبان سے اس نے توبہ کر کے کہا، 'اے خداوند کون تیری مانند ہو سکتا ہے؟' پس خدا نے اس کو مردوں میں سے نکال لیا کیوں کہ لکھا ہے کہ 'میں نے اب اپنا ہاتھ بڑھایا اور تجھ کو مارا اور لیکن خدا نے اس کو زندہ رہنے دیا کہ اس کی طاقت اور قدرت کا اظہار کیا کرے۔"

(5) "السمٰوات السبعة" یعنی سات آسمانوں کا جو ذکر سورہ بنی اسرائیل میں ہے، وہ یہودیوں کی کتاب "حگیگاہ" باب 9، فصل 2 میں آیا ہے جہاں ساتوں آسمانوں کے نام بھی گنائے گئے ہیں۔

جہنم کے سات دروازوں کا جو ذکر قرآن میں مندرج ہے، وہ بھی یہودیوں کی کتاب "سوہر"، باب 3، صفحہ 150 سے ماخوذ ہے۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ زمین کے نیچے سات طبقے تو اسفل کے ہیں اور ان کے اوپر سات طبقے اعلیٰ کے، اور یہ سب کے سب ایک بڑے سے اژدہے کے اوپر قائم ہیں جس کا نام "بشیشہ" ہے۔ زمین کے ان سات طبقوں کے بارے میں جو کچھ ہندو یا یہودی یا مسلمان اپنے اپنے افسانوں اور حدیثوں میں سناتے ہیں، ان کی اصل زرتشتوں کی کتاب "اوستا" میں ملتی ہے جس کے مطابق "جمشید زمین پر حکمرانی کرتا تھا جس میں ہفت اقلیم تھیں۔"

سورہ ہود کی آیت 7 میں "وَكَانَ عَرْشُهُۥ عَلَى ٱلْمَآءِ" (اور اس کا عرش پانی پر تھا)۔ یہودی مفسر راشی نے باب پیدائش 1، آیت 2 کی اختراعی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ، "جلال کا تخت ہوا پر قائم تھا اور پانیوں پر حرکت کرتا تھا۔"

(6) سورہ الزخرف کی آیت 77 میں خدا نے جہنم پر ایک فرشتے کو مقرر کیا ہے جس کا نام "مالک" ہے۔ یہودیوں کے ہاں بھی ایک ایسا ہی فرشتہ امیر جہنم کہلاتا ہے۔ لیکن اسلام میں یہ لفظ یعنی "مالک" بائبل میں مذکور بت پرستوں کے ایک دیوتا "مولک" سے آیا ہے جس کے سامنے

آگ جلا کر انسانوں کی بلی دی جاتی تھی۔

(7) سورہ اعراف کی آیت 46 پڑھیں جہاں لکھا ہے، "ان دونوں (یعنی بہشت اور دوزخ) کے درمیان (اعراف نام کی) ایک دیوار ہو گی اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے جو سب کو ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے۔ تو وہ اہل بہشت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو۔ یہ لوگ بھی بہشت میں داخل تو نہیں ہوں گے مگر امید رکھتے ہوں گے۔" یہ تصور سراسر یہودی کے ہاں موجود ہے۔ "مدراش" میں کتاب واعظ، باب 7، آیت 14 کی شرح یوں مندرج ہے، "کسی نے پوچھا کہ بہشت اور دوزخ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ ربی یوحانن (Rabbi Yohanan) نے کہا کہ ایک دیوار حائل ہے، ربی اخاہ (Rabbi Akhah) نے کہا کہ ایک بالشت کی دوری ہے اور ہمارے مرشدوں نے بتلایا ہے کہ دونوں ایسے ملے ہوئے ہیں کہ اِس میں سے اُس میں دیکھ سکتے ہو۔" لیکن یہودیوں میں بھی یہ تصور زرتشتوں کے ہاں سے آیا ہے۔ "اوستا" میں اعراف کو "Miswanogatus" کہا گیا ہے، جب کہ زبان پہلوی میں "Miswat-gas" کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ اس میں بہشت اور دوزخ کے درمیان فاصلہ بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "جتنا کہ نور اور ظلمت کے درمیان فاصلہ ہے۔"

(8) سورہ قاف کی آیت 30 میں روز سزا و جزا کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ، "اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟"
اس بیان کی بازگشت "Othioth of Rabbi ʻAqiba" کے باب 8، فصل 1 میں کچھ یوں سنائی دیتی ہے، "امیر جہنم ہر روز یہ پکارتا ہے کہ مجھے کھانا دو کہ میں سیر ہو جاؤں۔"

(9) سورہ حجر کی آیت 17 اور 18 میں شیطان کی جاسوسی کا ذکر اس طرح مذکورہ ہے، "اور ہر شیطان راندۂ درگاہ سے اسے محفوظ کر دیا۔ ہاں اگر کوئی چوری سے سننا چاہے تو چمکتا ہوا انگارہ اس کے پیچھے لپکتا ہے۔"
کچھ ایسا ہی ذکر ہم سورہ صافات اور سورہ ملک میں بھی پاتے ہیں، جو یہودیوں کے تصورات کا سیدھا چربہ ہے۔ تالمود، کتاب حگیگاہ (Hagigah)، باب 12، فصل 1 میں لکھا ہے، "شیاطین کو چھ صفات حاصل ہیں۔ کیا وہ غیب کا حال پہلے سے جانتے ہیں؟ نہیں، بلکہ پردے کے پیچھے سے کان لگا

کر سن لیتے ہیں۔"

(10) قرآن نے طوفان نوح کے بیان میں لکھا ہے، "جوش مارا تنور نے"، ملاحظہ فرمائیں، سورہ ہود 40 اور سورہ مومنون 27۔ اس بیان اور اسلوب کی اصل بھی یہودیوں کا قصہ ہے جو "Rosh Hashshanah" کے باب 16، آیت 2 اور 108) "Sanhedrin") میں یوں مرقوم ہے، "پانی طوفان کا گرم تھا"۔ گویا طوفان کے زمانے کے لوگوں کو ابلتے ہوئے پانی سے عذاب دیا گیا۔ قرآن نے اسی مضمون کو "تنور" کے استعارہ میں ظاہر کیا۔

(11) رمضان کے روزے کے تعلق سے ہم پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ صابئین کے روزے ہیں لیکن عاشورہ کا روزہ یہودیوں کی تقلید میں ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ رمضان کے روزوں میں بھی اسلام یہودیوں کا مقروض ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت 187 میں مذکورہ ہے، "اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے..."

یہودیوں کی "مشناہ براخوت"، باب 1، فصل 2 میں یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں، "روزے کا آغاز اس ساعت سے ہوتا ہے جب کوئی تمیز کر سکے نیلے ڈورے اور سفید ڈورے کے درمیان۔"

(12) تیمم بھی یہودیوں کی رسم ہے۔ براخوت، فصل 46 میں مندرج ہے کہ "یہ امر کفایت کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے تئیں خاک سے پاک کر لے۔"

(13) سورہ نسا کی آیت 43 میں نشہ کے متعلق یہ آیت ہم دیکھتے ہیں کہ " نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے میں رہو"۔ لیکن یہ مشہور آیت بھی ایک یہودی ربی کا مقولہ ہے، "نماز ممنوع ہے اس شخص کے واسطے جو نشہ میں ہے۔" (براخوت، باب 31، فصل 2)

(14) سورہ نور کی آیت 24 میں روز حساب کا ذکر یوں کیا گیا ہے، "جس دن (روز قیامت) ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں سب ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔"

کتاب حگیگاہ، فصل 16؛ وطانیتہ، فصل 11 میں مرقوم ہے کہ انسان کے اپنے اعضا اس کے خلاف شہادت دیں گے کیوں کہ تم ہی تو میرے گواہ ہو، خداوند فرماتا ہے۔"

لیکن قرآن کی اس آیت کا جو متن ہے وہ دراصل ایک عیسائی عورت کا مقولہ تھا جو محمد تک

پہنچا۔ کیسے پہنچا، یہ جاننے کے لیے درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

جابرؓ کہتے ہیں کہ جب سمندر کے مہاجرین (یعنی مہاجرین حبشہ) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آئے، تو آپ نے فرمایا، "تم لوگ مجھ سے وہ عجیب باتیں کیوں نہیں بیان کرتے جو تم نے ملک حبشہ میں دیکھی ہیں؟" ان میں سے ایک نوجوان نے عرض کیا، "کیوں نہیں اللہ کے رسول! اسی دوران کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے، ان راہباؤں میں سے ایک بوڑھی راہبہ ہمارے سامنے سر پر پانی کا مٹکا لیے ہوئے ایک حبشی نوجوان کے قریب سے ہو کر گذری، تو اس حبشی نوجوان نے اپنا ایک ہاتھ اس بڑھیا کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ کر اس کو دھکا دیا جس کے باعث وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑی، اور اس کا مٹکا ٹوٹ گیا، جب وہ اٹھی تو اس حبشی نوجوان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی، 'غدار! عنقریب تجھے پتہ چل جائے گا جب اللہ تعالیٰ کرسی رکھے ہو گا، اور اگلے پچھلے سارے لوگوں کو جمع کرے گا، اور ہاتھ پاؤں ہر اس کام کی گواہی دیں گے جو انہوں نے کیے ہیں، تو کل اس کے پاس تجھے اپنا اور میرا فیصلہ معلوم ہو جائے گا۔ رسول اللہ یہ واقعہ سنتے جاتے اور فرماتے جاتے، اس بڑھیا نے سچ کہا، اس بڑھیا نے سچ کہا، اللہ تعالیٰ اس امت کو گناہوں سے کیسے پاک فرمائے گا، جس میں کمزور کا بدلہ طاقتور سے نہ لیا جا سکے۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4010)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کچھ کہنے کے لیے بچتا ہی نہیں سوائے اس کے کہ، محمد نے صرف اقوال، ضعیف روایات، وہ قصے اور کہانیاں جو لوگوں کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں، ان کو ایک جگہ جمع کر لینا کافی سمجھا۔ نہ تو انہوں نے اس کی تحقیق کی کوئی ضرورت سمجھی اور نہ کبھی ان کے امتیوں نے حقائق جاننے کی کوشش کی۔ صرف قرآن ہی کیوں، مسلمانوں میں کئی روایتیں اور احادیث میں بھی یہودیوں کے اقوال اور ان کے قصے داخل ہو گئے۔ اگرچہ یہ ہمارا موضوع نہیں ہے، لیکن دو چار مثالیں دیکھنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔

ان کے اقوال ہماری احادیث

(i) صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ میں محمد کی دعا کچھ اس طور پر مندرج ہے "اے اللہ! تو پاک کر دے مجھ کو برف اور اولے اور ٹھنڈے پانی سے۔ اے اللہ! تو پاک کر دے مجھ کو گناہوں اور

خطاؤں سے جس طرح دھل جاتا ہے سفید کپڑا میل سے۔"

محمد کی یہ دعا بھی داؤد کی دعا کا سرقہ ہے جو کچھ یوں ہے، "میرے گناہ سے مجھے خوب دھو اور میری خطا سے مجھے پاک کر...زوفا سے مجھے پاک کر کہ میں صاف ہو جاؤں۔ مجھ کو دھو کہ میں برف سے زیادہ سفید ہو جاؤں۔" (زبور، 51، آیت 2,7)

(ii) صحیح مسلم، کتاب المساجد میں محمد کی بالکل اسی قسم کی ایک اور دعا ہے۔ اس میں ایک فقرہ ہے، "یا خدا دوری کر دے میرے اور میری خطاؤں کے درمیان، جیسی دوری کر دی تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان۔"

یہ بھی داؤد کے زبور کی نہایت ہی مشہور آیت ہے (زبور 103، آیت 12) "جتنا پورب، پچھم سے دور ہے، اتنی دور اس نے ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دیا۔"

(iii) صحیح مسلم کی حدیث 844 میں محمد نے کہا ہے کہ عورت (مرد کی) پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ یہ تصور کتاب پیدائش، باب 2، آیت 21,22 میں مرقوم ہے؛ "اور خدا نے آدم کی پسلیوں سے ایک پسلی نکالی... اور اس پسلی سے ایک عورت بنا کر آدم کے پاس لایا۔"

(iv) صحیح مسلم کی حدیث 1958 میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت کا بنایا۔ یہی الفاظ کتاب پیدائش، باب اول، آیت 7 میں موجود ہیں، "اور خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔"

اس کے علاوہ بھی بہت ساری روایتیں ہیں، جنہیں محمد نے بقدر ضرورت و استطاعت من و عن قبول کر لیا، اب کہاں تک میں سناؤں اور کہاں تک آپ سنیں گے۔ مثلاً لوح محفوظ کا قصہ اور کوہ قاف کے فرضی وجود کا حال جس کی قسم اللہ نے قرآن میں کھائی ہے، یہ سب یہودیوں کی احادیث اور تفسیروں کی کتاب میں درج ہیں جنہیں محمد نے سن سنا کر اٹھا لیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ سب توریت سے براہ راست ماخوذ ہیں۔

اگرچہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ محمد کے زمانے میں ان کے آس پاس کافی یہودی آباد تھے، چپے چپے پر ان کے معبد تھے۔ چنانچہ ان سے یہودیوں کے قصے، کہانیاں اور احادیث سن لینا کوئی بڑی بات نہیں تھی جس کا ذکر ہم نے ایک حدیث کو بطور حوالہ پیش کر کے کیا تھا محمد اپنے اصحاب کو

یہودیوں کے قصے رات بھر سنایا کرتے تھے، حتیٰ کہ فجر کی نماز کا وقت ہو جاتا تھا۔ لیکن ہم اب ان کچھ خاص لوگوں کے بارے میں بھی جانتے چلیں جو ان معلومات کو محمد تک پہنچانے کا ذریعہ تھے۔

کتنے جبرئیل؟

ابن ہشام کے مطابق عبد اللہ بن سلام اہل یہود کے جلیل القدر عالم تھے، ان کا اصل نام حصین تھا اور وہ یہود بنو قینقاع سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ کئی حدیثیں بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ محمد اس یہودی عالم کے علم کے معترف تھے۔ اب اگر ان سے انہوں نے کسب فیض حاصل کیا تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔

مخیارق بھی یہودی ربی تھے اور مدینہ میں مقیم تھے۔ قبول اسلام کے بعد انہوں نے جنگ احد میں حصہ لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مخیارق بھی عبد اللہ بن سلام کی ہی طرح یہودیوں کی روایات، احادیث اور قصے کہانیوں کے ایک اہم ماخذ تھے جن سے محمد نے استفادہ کیا۔

جبر پیغمبر اسلام کا ایک عیسائی پڑوسی تھا۔ ”Hughes Dictionary of Islam“ کے صفحہ نمبر 223 کے مطابق جبر بھی اہل کتاب تھا اور تورات وانجیل کا عالم تھا۔ جب وہ اپنے گھر پر ان کتابوں کی با آواز بلند تلاوت کرتا تو محمد اسے غور سے سنتے تھے۔ یقیناً توریت اور انجیل اور ان کی تفسیریں واحادیث کو سننے اور سنانے میں محمد کا یہ قابل پڑوسی ان کا معاون تھا۔

اور بھی کئی نام ہیں، مثلاً صہیب الرومی جو ایک سابق بازنطینی غلام تھے اور بعد ازاں اسلام قبول کرنے کے بعد محمد کے قریبی صحابہ میں شامل ہوئے۔ پھر ہم یہ کیوں بھولتے ہیں کہ محمد کے پاس ان کی پہلی بیوی خدیجہ اور سب سے اہم ورقہ بن نوفل جیسا عالم شخص تھا جسے اس زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد اور رسومات کا کافی سے زیادہ علم تھا اور جس کا ذکر ہم نے پہلے باب میں تفصیلی طور پر کیا ہے۔

المختصر، جو کچھ ہم نے اس باب میں بیان کیا ہے، اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہودیوں کی کتابیں، بطور خاص کہانیوں اور ضعیف روایات کا طومار جسے ہم ” تالمود“ کے نام سے جانتے ہیں، وہ قرآن اور دین اسلام کے بنیادی سر چشموں میں سے ایک ہیں۔

مسیحی عقائد ورسوم کے اثرات

محمد کے زمانے میں جو عیسائی جزیرۂ عرب میں آباد تھے، ان میں سے اکثر لوگ بائبل کی تعلیمات سے ناواقف تھے بلکہ وہ کئی "بدعتوں" میں گرفتار تھے جس کی وجہ سے وہ قلمرو قیصر روم سے باہر کر دیے گئے تھے۔ ان کے پاس بعض کتابیں ایسی بھی موجود تھیں جو وضعی احادیث اور جھوٹے قصص پر مشتمل تھیں۔ یہ روایتیں کثرت استعمال کی وجہ سے زبان زد خاص وعام ہو چکی تھیں۔ محمد کا انہی کے درمیان اٹھنا بیٹھنا تھا، مزید بر آں آپ کے پاس خدیجہ اور ان کا عم زاد بھائی ورقہ بن نوفل تھے۔ ایک طرف آپ کا پڑوسی جبر تھا تو دوسری طرف ابن قمطہ اور ان کے علاوہ وہ عیسائی بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہوگئے۔ ان تمام لوگوں سے آپ بآسانی عیسائی نوشتوں کی بابت بہت کچھ سیکھ سکتے تھے، خصوصاً غیر معتبر مروجہ حکایتیں تو بسہولت تمام محمد کے گوش گذار ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ محمد نے ان حکایات اور قصص کو جب ان کی زبانی سنا تو گمان کر لیا کہ ہو نہ ہو یہ انجیل میں مذکور ہوں گے اور بلا تحقیق انہیں قرآن کے اندر داخل کر لیا۔ محمد کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت سے دوسرے لوگ بھی واقف تھے اور انہوں نے آپ پر بعض مشہور و معروف لوگوں سے مدد لینے کا الزام بھی لگایا جس کی صفائی میں سورہ النحل کی 103 اور 105 آیات نازل ہوئیں۔ بہر حال، اس باب میں ہم انہی افسانوں کا تجزیہ کرنے والے ہیں جو قرآن کا سرچشمہ ہیں۔

اصحاب کہف

سورہ کہف (8-25) میں ایک نہایت ہی عجیب اور بعید الفہم حکایت اللہ سنا رہا ہے کہ سات نوجوان ایک غار میں جا کر سوگئے اور تین سو نو سال کے بعد بیدار ہوئے۔ یہ یونانیوں کا افسانہ تھا جس کی اصل لاطینی کتاب "De Gloria Martyrum" میں موجود ہے، اس کتاب کا مصنف Gregory of Tours ہے۔ سیریا کے ایک متنازعہ بشپ یعقوب ساروگ نے یہ کہانی لکھی تھی جو یونانی لوک کتھاؤں سے ماخوذ ہے۔ یعقوب ساروگ پر کلیسانے کافی پابندی لگائی لیکن اس نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رکھی تھی۔ اس قصے سے اہل عرب اور بطور خاص سیریا کے باشندے

خوب واقف تھے۔

متذکرہ افسانے کا خلاصہ یہ ہے کہ قیصر روم دکیوس (Decius: 249-51) عیسائیوں پر کافی مظالم ڈھاتا تھا۔ اس نے عہد کر لیا تھا کہ دین عیسوی کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے گا۔ چنانچہ اس بادشاہ کے ظلم و ستم کے مارے شہر افسس (Ephesus) کے سات جوان گھر بار ترک کر کے نکل بھاگے اور شہر کے قریب پہاڑ کے ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے اور وہیں سو گئے۔ وہ برسوں تک وہیں سوئے پڑے رہے۔ جب یہ بیدار ہوئے اور غار سے باہر نکلے تو زمانہ بدل چکا تھا۔ اس وقت Theodosius II تخت پر جلوس فرما تھا۔ جو لوگ سو کر غار سے باہر نکلے تھے، وہ یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئے کہ چاروں طرف دین مسیحی کا پرچم لہرا رہا تھا اور سلطنت روم کی تقریباً تمام رعایا عیسائی ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ محض ایک افسانہ ہے جسے کسی بھی عیسائی عالم کی سند حاصل نہیں ہے لیکن حیرت ہے کہ یہ بے اصل اور فرضی قصہ اللہ نے لوح محفوظ پر لکھ رکھا ہے۔ سر سید احمد خاں مرحوم نے اس قصہ کی مناسبت سے ایک علاحدہ رسالہ "ترقیم فی قصۃ اصحاب الکہف و الرقیم" بھی تحریر کیا، جس میں ایک جگہ وہ کہتے ہیں، "منجملہ ان قصوں کے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، ایک قصہ اصحاب الکہف و الرقیم کا ہے۔ یہ قصہ آنحضرت کی بعثت سے قبل ایشیا میں اور روم کے عیسائیوں میں اور عرب جاہلیت میں مشہور تھا۔" اگرچہ سر سید نے اس قصے کی کچھ ایسی تاویل کی ہے جس کو عقل تسلیم نہیں کر سکتی لیکن بہر حال ان کے محولہ بالا اقتباس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے قصے اور کہانیاں جن کا حقیقت سے دور دور کا رشتہ نہیں تھا، اور محض اس لیے کہ وہ عوام الناس کی زبان پر تھے، محمد نے ان پر وحی الٰہی کا ٹریڈ مارک لگا کر ان کی کاپی رائٹ اپنے نام محفوظ کر لی۔

کنواری مریم

اے ہارون کی بہن، نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔

(سورہ مریم:28)

اس آیت کے مطابق مریم ہارون کی بہن تھیں لیکن ہارون تو موسیٰ کا بھائی تھا۔ گویا مریم ہارون اور موسیٰ کی بہن تھیں جس کی تصدیق سورہ تحریم 12 میں ہو جاتی ہے، "اور عمران کی بیٹی

مریم کی جنہوں نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرماں برداروں میں سے تھیں۔"
اور یہی بات سورہ آل عمران اور سورہ فرقان کی آیات میں دہرائی گئی ہے۔ عمران، موسیٰ، ہارون اور مریم وہی لوگ ہیں جو ان ناموں سے توریت میں مذکورہ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جس کو قرآن عمران کہتا ہے، توریت میں اس کا عبرانی نام "عمرام" ہے۔ (دیکھیں، توریت گنتی، باب 26، آیت 59)۔ چنانچہ محمد نے ہارون کی بہن اور عمران کی بیٹی مریم کو وہی مریم سمجھ لیا جو ایک ہزار پانچ سو ستر سال بعد عیسیٰ کی ماں ہو گئیں۔

مفسرین قرآن نے اپنے تیئں کافی کوشش کی کہ اس اعتراض سے قرآن کو بچا لیں لیکن وہ اب تک ناکام رہے ہیں۔ صحیح مسلم الکتاب الآداب میں ایک حدیث کے ذریعہ بھی اس اعتراض کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی گئی۔ نجران کے عیسائیوں نے اسی زمانہ میں یہ اعتراض کر دیا تھا جس کا جواب محمد بھی نہ دے سکے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا جب میں نجران آیا تو وہاں کے لوگوں نے مجھ سے سوال کیا کہ تم قرآن میں مریم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہو، "اے ہارون کی بہن" لیکن موسیٰ، عیسیٰ سے اتنی اتنی مدت پہلے گذرے ہیں۔ پس جب میں رسول اللہ کے پاس واپس آیا تو ان سے میں نے اس متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا کہ وہ نام انبیاء اور صالحین کے ناموں پر رکھا کرتے تھے۔ اب بھلا کون اسے ثابت کر سکتا ہے کہ اس مریم کے کسی بھائی کا نام ہارون اور اس کے باپ کا نام عمران تھا؟

اس کے علاوہ قرآن کی مختلف سورتوں اور پرانی تفسیروں میں مریم کا جو قصہ مندرج ہے، وہ اناجیل اربعہ میں موجود ہی نہیں ہے بلکہ اس کا ماخذ اس زمانے میں مقبول عیسائیوں کی وہ مذہبی افسانوں کی کتابیں ہیں جو اب تک موجود ہیں جن میں یہ سارے کا سارا قصہ لکھا ہوا ہے۔ ہم ذیل میں ان کتابوں کی فہرست درج کر رہے ہیں جہاں مریم اور عیسیٰ سے متعلق وہ قصے مرقوم ہیں جن سے قرآن میں مندرج قصہ مطابقت رکھتا ہے:

(۱) "Protevangelium Jacobi Minoris" (پروتونجیلیون یعقوب صغیر): قرآن کے سورہ مریم کی آیت نمبر 16 سے 35 تک عیسیٰ کی ولادت کی جو تفصیل مذکور ہے، وہ اسی کتاب کی فصل 3,4,5 سے ماخوذ ہے۔

(۲) "The History of Virgin" (سیرت بتولہ): یہ قبطی زبان میں لکھی گئی کتاب

ہے جس کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت 35 سے 42 تک مریم کی پیدائش، طفولیت اور اس کی برگزیدگی کا جو ذکر مرقوم ہے وہ اسی کتاب سے من و عن لے لیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ ماریہ قبطیہ اسی زبان کی پروردہ تھیں، چنانچہ یہ کہانیاں محمد تک پہنچنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

(۳) "Story of the Decease of Joseph": اس کتاب میں بھی ما قبل ولادت عیسیٰ اور مریم کا وہ ذکر تفصیل سے موجود ہے جو "سیرت بتولہ" میں مندرج ہے اور قرآن سے عین مطابقت رکھتا ہے۔

(۴) "History of the Nativity of Mary and the Infancy of the Saviour": سورۂ مریم کی آیت نمبر 23 سے 26 تک جو درخت خرما کا ذکر ہے وہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ لیکن درخت خرما کے حوالے سے اس کتاب کا ماخذ بھی بدھ مت (Theravada Buddhism) کی ایک نہایت ہی اہم کتاب "Mahavamsa" سے مستعار ہے جو 80 BC میں لکھی گئی تھی لیکن کئی محققین اسے مزید کئی سو سال پرانی کتاب گردانتے ہیں۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب نہ صرف ہندوستان اور سری لنکا بلکہ چین، تبت، سنٹرل ایشیا، حتیٰ کہ فارس میں بھی کافی مقبول رہی۔ بعد ازاں مغرب اور جنوبی ایشیا میں اس کے بڑے اثرات مرتب ہوئے۔ یہی حال بدھوں کی جاتک کتھاؤں کا بھی ہے، جس میں گوتم بدھ کی ولادت کے تعلق سے کئی افسانے موجود ہیں۔ عیسائیوں کی کتابوں میں مندرج کئی افسانوں کا یہی ماخذ رہا ہے۔ قرآن نے بدھوں کے انہی افسانوں کو عیسائیوں کی کتابوں کے حوالے سے وحیٔ الٰہی کا درجہ دے دیا اور لوح محفوظ میں لکھ لیا۔

(۵) "Gospel of Thomas the Israelite": سورہ المائدہ کی آیت 110 سے 115 تک عیسیٰ کے جن معجزوں کا ذکر ہو رہا ہے، وہ اسی کتاب سے لیا گیا ہے۔

(۶) "Gospel of Nicodemus": اس کتاب میں عیسیٰ کے معجزوں اور ان کے مصلوب کیے جانے کا ذکر ہے جس سے قرآن نے مدد لی۔

(۷) "Gospel of the Infancy": عیسیٰ کے عہد طفولیت کا ذکر اور ان سے متعلقہ ان معجزوں کا ذکر جو قرآن میں موجود ہے، ان کا کچھ حصہ یہاں سے بھی ماخوذ ہے۔

"تثلیث"

پہلے اس ضمن میں ہم قرآن کی کچھ آیات دیکھ لیتے ہیں:

اور جب خدا فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟(سورہ المائدہ: 116)

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ نکلو اور اللہ کی شان میں سائے پکی بات کے نہ کہو، بے شک مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہے اور اللہ کا ایک کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہے، سو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں، اس بات کو چھوڑ دو تمہارے لیے بہتر ہو گا، بے شک اللہ اکیلا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے اس کی اولاد ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین ہے اور اللہ کارساز کافی ہے۔(سورہ النسا، 171)

جنہوں نے کہا اللہ تین میں سے ایک ہے، بے شک وہ کافر ہوئے حالاں کہ سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئیں گے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا۔(سورہ المائدہ: 73)

محولہ بالا آیات سے صاف عیاں ہے کہ محمد نے کچھ بدعتی عیسائی فرقوں کے عقائد کے متعلق سن رکھا تھا کہ وہ خدا کو تین (تثلیث) گمان کرتے تھے، یعنی خدا، مریم اور عیسیٰ، جب کہ یہ عقیدہ عیسائیت کے بنیادی عقیدے کے بموجب کفر ہے۔ توریت کتاب استثنا، باب 6، آیت 4، میں صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ "سن اے اسرائیل، ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔" انجیل مرقس، باب 10، آیت 29 میں عیسیٰ نے اسی آیت کا حوالہ دے کر بڑی تاکید کے ساتھ اس کی تصدیق کی، "تمہارا اکیلا رب ہے۔" آج بھی کوئی راسخ العقیدہ عیسائی مریم کی الوہیت کا قائل نہیں ہے۔

عیسیٰ کو مصلوب کرنا

قرآن سورہ نسا کی آیت 157 اور 158 میں انجیل کے برعکس عیسیٰ کے مصلوب ہونے کا انکاری ہے، ملاحظہ ہو؛

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کا قتل کیا جو اللہ کا رسول تھا، حالاں کہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے، وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس بھی اس معاملہ میں کوئی یقین نہیں ہے، محض گمان ہی کی پیروی ہے، انہوں نے یقیناً مسیح کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اسے اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

جو مسلمان شب و روز اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآن، انجیل اور توریت کا ایک ہی ماخذ ہے کیوں کہ یہ کتب الٰہی ہیں، وہ مسلمان اپنا عقیدہ درست کر لیں کیوں کہ قرآن کا محولہ بالا دعویٰ انجیل میں موجود نہیں ہے بلکہ عیسائیوں کے ایک بدعتی فرقے کے پیر و مرشد بسیلیدیس (Basilides) کی تعلیمات میں شامل ہے جس کے بارے میں ہمیں Irenaeus مطلع کرتے ہوئے بسیلیدیس کا عقیدہ اسی کی زبانی بتلاتا ہے، "انہوں نے (عیسیٰ نے) کوئی درد نہیں اٹھایا بلکہ شمعون نامی ایک قیروائی شخص تھا جس کو لوگوں نے مجبور کیا تھا کہ وہ ان کی صلیب کو اٹھا کر چلے لیکن اس شخص کی صورت بدل دی گئی کہ لوگ یہ گمان کر لیں کہ عیسیٰ وہی ہے، چنانچہ اس نادانی اور دھوکے میں یہ شخص مصلوب کر دیا گیا۔"

محمد نے قرآن کی معرفت جو "عیسیٰ کے زندہ اٹھا لینے" کا عقیدہ مسلمانوں کو دیا، وہ دراصل اسی بسیلیدس کے مریدوں کا عقیدہ تھا، نہ کہ انجیل کا۔ لیکن اس پوری کہانی میں سب سے دلچسپ موڑ سورہ آل عمران اور سورہ مریم نے دے دیا ہے۔ قارئین سے میری درخواست ہے کہ محولہ بالا سورہ نساء کی آیات ایک بار پھر پڑھ لیں جس کی بنیاد پر محدثین اور مفسرین کا کہنا ہے کہ عیسیٰ کو مصلوب یا قتل نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اللہ نے بخیر و عافیت انہیں زندہ اٹھا لیا تھا۔ اب ذرا درج ذیل دو آیات پڑھ لیں:

جس وقت اللہ نے فرمایا، اے عیسیٰ! بے شک میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں...(آل عمران: 56)

اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ

کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ (سورہ مریم: 33)

کیا یہ تضادات قرآنی نہیں ہے؟ ایک جانب عیسیٰ کی وفات اور مرنے کا ذکر موجود ہے تو دوسری جانب انہیں زندہ اٹھالے جانے کی آیات بھی؟ میرے خیال میں محمد شاید اپنے لکھے یا لکھائے گئے پر نظر ثانی کرنے کا تکلف بھی نہیں کرتے تھے ورنہ انہیں یہ فاش غلطی فوراً نظر آجاتی، اگر وہ بروقت اس کی تصحیح فرمالیتے تو شاید دشمنان اسلام کو اس پر انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملتا۔

بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ محمد نے عیسیٰ کے دوبارہ نازل ہونے کی بھی بشارت دی ہے۔ آل عمران، 56 کے فقرہ "اني متوفيك" کی حدیث و تفسیر میں یہ تاویل کی گئی ہے کہ عیسیٰ دوبارہ دنیا میں تشریف لا کر وفات پائیں گے۔

پہلے اس ضمن میں کچھ حدیثیں ملاحظہ ہوں:

ابوہریرہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، وہ زمانہ قریب ہے عیسیٰ تمہارے درمیان ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نزول کریں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، سور کو مار ڈالیں گے اور جزیہ قبول نہیں کریں گے، اس وقت مال و دولت کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ کوئی اسے لینے والا نہیں ملے گا اور ایک سجدہ دنیا اور مافیہا سے بڑھ کر ہو گا۔" پھر ابوہریرہ نے فرمایا کہ تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو اور کوئی اہل کتاب ایسا نہیں ہو گا جو حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ایمان نہ لا چکے اور قیامت کے آپ ان پر گواہ ہوں گے۔ (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، "میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہ ہو گا اور بے شک عیسیٰ اتریں گے۔ جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لو، وہ ایک شخص ہیں متوسط قدو قامت کے، رنگ ان کا سرخی اور سفیدی کے درمیان ہے، وہ زرد کپڑے ہلکے رنگ کے پہنے ہوں گے، ان کے بالوں سے پانی ٹپکتا معلوم ہو گا، اگرچہ وہ تر بھی نہ ہوں گے۔ وہ لوگوں سے جہاد کریں گے اسلام قبول کرنے کیلئے اور توڑ ڈالیں گے صلیب کو اور قتل کریں گے سور کو اور موقوف کر دیں گے جزیے کو اور تباہ کر دے گا اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں سب مذہبوں کو سوا اسلام کے، اور ہلاک کریں

گے وہ دجال مردود کو، پھر دنیا میں رہیں گے چالیس برس تک، بعد اس کے ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر جنازے کی نماز پڑھیں گے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الملاحم باب دجال کا نکلنا)

ان دو احادیث کے علاوہ یہی روایت صحیح مسلم (کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ)، ابن ماجہ (کتاب الفتن، باب قیامت کی نشانیاں اور خروج دجال)، ترمذی (کتاب الفتن، باب زمین کا دھنس جانا اور نزول عیسیٰ اور قتل دجال)، مسند احمد اور تفسیر ابن کثیر میں بھی بیان ہوئی ہیں۔

یہ کہانی دراصل ایک قبطی کتاب سے مستعار ہے جس میں حنوخ والیاس کے تعلق سے ہمیں یہ بیان ملتا ہے، "اور یہ دوسرے جو ہیں، ان پر بھی واجب ہے کہ آخر کار موت کا ذائقہ چکھیں۔" چنانچہ محمد کے صحابہ نے ان کتابوں کے پڑھنے والوں سے جب اس قسم کی باتیں سنیں تو یہ گمان کر لیا کہ عیسیٰ بھی ضرور حنوخ والیاس کی طرح موت کا مزہ چکھیں گے۔ چونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ بغیر موت کے زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں تو ضروری ہو جاتا ہے کہ کچھ دنوں زمین پر رہ کر وفات پائیں، اس کے لیے وہ قرآن کی آیت "کل نفسٌ ذائقة الموت" کو اپنے قول کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

محمد کی بشارت

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف سے رسول ہوں، توریت جو مجھ سے پہلے ہے، اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوش خبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہو گا، پس جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آگیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔ (سورہ الصف: 6)

محمد اور قرآن کے دعوے کی بنیاد "St. John's Gospel" کی کچھ آیات ہیں لیکن افسوس اس میں کہیں بھی لفظ "احمد" موجود نہیں ہے۔ البتہ محمد نے یہ ضرور کیا کہ اس لفظ کے معنی جو "بہت تعریف اور حمد و ثنا کرنے والا" ہے، وہ انجیل سے نکال لیا اور اس کا قائم مقام عربی لفظ "احمد" اس کی جگہ رکھ کر دعویٰ کر ڈالا کہ یہ میری بشارت دی جا رہی ہے۔ اس طرح کی ٹھوکریں مسلمانوں نے مزید کئی جگہ کھائی ہیں، مثلاً ویدوں میں "کلکی اوتار" کا جو ذکر ہے، اس پر ایک ہندو

پنڈت نے بھی کچھ اسی قسم کی تحقیق کی اور محمد اور ان کے والدین وغیرہ کے تعلق سے ویدوں میں سنسکرت لفظ کے عربی معنی ڈھونڈ ڈھونڈ کر دعویٰ کر ڈالا کہ ویدوں میں بھی محمد کی بشارت موجود ہے۔ (اس موضوع پر میرا ایک نوٹ شائع ہو چکا ہے)۔

مسلمانوں کو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ قرآن میں بشارت فارقلیط کی طرف اشارہ ہے۔ "پاراقلیطوس" کا ذکر انجیل یوحنا، باب 14، آیت 16 سے 26 تک؛ باب 5، آیت 26؛ اور باب 16، آیت 7 میں آیا ہے۔ آپ ان ابواب کو غور سے پڑھیں گے تو یہ حقیقت آپ پر روشن ہو جائے گی کہ ان میں کہیں بھی کسی آنے والے نبی یا پیغمبر کا مطلق ذکر نہیں ہوا ہے۔ عیسیٰ کا سارا بیان جو وہاں موجود ہے وہ سب روح القدس یعنی جبرائیل سے متعلق ہے۔ دراصل قرآن کو اس باب میں دھوکا اس لیے ہوا کہ اہل عرب کو لفظ "فارقلیط" کے معنی معلوم نہ تھے۔ "پاراقلیطوس" یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں تسلی دینے والا۔ لیکن اس قسم کا ایک اور یونانی لفظ ہے، "پیریقلیطیوس" جس کے معنی ہیں نامدار، بہت سراہا ہوا۔ دوسری زبانوں کے پروردہ کسی بھی اجنبی شخص کے کانوں میں ان دونوں لفظوں کے تلفظ میں فرق کم معلوم ہو گا۔ اغلب ہے کہ کسی عرب کو یونانی زبان سے واقفیت کی کمی کے سبب دونوں الفاظ میں التباس ہو گیا ہو اور اس نے "پارا قلیطوس" کو "پیریقلیطوس" سمجھا اور یوں "فارقلیط" کا ہم معنی لفظ اس کے ذہن میں آ گیا۔

محمد کو شاید معلوم نہیں تھا کہ لفظ "فارقلیط" کے صرف وہی دعویدار نہیں ہیں بلکہ ان سے کافی پہلے شہرہ آفاق مصور مانی جو ایران سے اٹھا تھا، اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے یہی کہا تھا کہ میں ہی وہ فارقلیط ہوں جس کی بشارت عیسیٰ نے دی تھی۔

سب دوزخ کا مزہ چکھیں گے

تمہارے پروردگار کی قسم! ہم ان کو جمع کریں گے اور شیطانوں کو بھی۔ پھر ان سب کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے (اور وہ) گھٹنوں پر گرے ہوئے (ہوں گے)۔ پھر ہر جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو خدا سے سخت سرکشی کرتے تھے۔ اور ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں جو ان میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔ اور تم میں کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر گذرنا ہو گا۔ یہ تمہارے پروردگار پر لازم اور مقرر ہے۔ پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے۔ اور ظالموں کو اس میں

گھٹنوں کے بل پڑا ہو چھوڑ دیں گے۔ (سورہ مریم: 68-72)

ان آیات کی شرح میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ تمام ایمان داروں کو بھی جہنم سے ہو کر گذرنا ہو گا مگر اس کی آنچ کی لپٹوں سے انہیں ضرر نہیں پہنچے گا لیکن بعض کہتے ہیں کہ یہاں مراد پل صراط ہے جس پر وہ جہنم کے اوپر سے گذر جائیں گے۔ پل صراط کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں کہ یہ زرتشتوں کا تصور ہے۔ لیکن ان آیات کا براہ راست تعلق عیسائیوں کے اس قول سے ہے جو مرقس، باب 9، آیت 49 اور خط بنام اہل کرنتھیوں، باب 3، آیت 13 کی شرح میں بیان کیا گیا ہے، یعنی ایک ایسی جگہ ہے جہاں گنہگار اور ایمان دار آگ میں اپنے بعض گناہوں سے پاک کیے جائیں گے۔ کیتھولک رومن کلیسا کا پرگیٹوری (Purgatory) پر بڑا پختہ ایمان ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ بہشت میں داخل ہونے سے پہلے وہ ایمان دار بھی جو اس دنیا میں بعض صغیرہ گناہوں کی تلافی نہ کر سکے، پرگیٹوری (Purgatory) میں کچھ عذاب جھیلیں گے اور ہر برائی سے پاک وصاف ہو جائیں گے، تبھی وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

میزان

اور اس روز (اعمال کا) تلنا برحق ہے تو جن لوگوں کے (اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے، وہ تو نجات پانے والے ہیں اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا، اس لیے کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے۔ (سورہ الاعراف، 6-9)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہو گا تو ہم اس کو لا حاضر کریں گے۔ اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔ (سورہ الانبیاء، 47)

خدا ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور (عدل و انصاف کی) ترازو اور تم کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی آپہنچی ہو۔ (سورہ الشوریٰ، 17)

تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے وہ دل پسند عیش میں ہو گا اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے، اس کا مرجع ہاویہ ہے۔ اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ دہکتی ہوئی آگ ہے۔(القارعۃ: 5-11)

اگرچہ احادیث میں بھی میزان کے تعلق سے بھی بہت کچھ بیان ہوا لیکن ہم یہاں ان سے صرف نظر کرتے ہوئے اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ ان آیات کی اصل کیا ہے اور یہ کہاں سے آئیں؟

عیسائیوں کی موضوعہ (خیالی) کتابوں میں سے ایک کتاب ہے، "وصیت نامہ ابراہیم" (Testament of Abraham)۔ یہ کتاب قبطی زبان میں ہے جس کا بعد میں یونانی اور عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ اس میں لکھا ہے کہ جب ملک الموت کو حکم ہوا کہ ابراہیم کی روح قبض کرے تو خلیل اللہ نے دعا کی کہ مرنے سے پہلے ان کو اجازت ہو کہ وہ آسمان و زمین کے عجائب کی سیر کر لیں۔ جب ان کو رخصت ملی تو ان کو معراج ہوا اور انہوں نے ہر چیز کا مشاہدہ کیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب وہ دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں انہوں نے وہی میزان یعنی ترازو کو دیکھا جس پر ایک فرشتہ انسانوں کے کردار تولا کرتا ہے۔("وصیت نامہ ابراہیم"، سورۃ اول، باب 12)

سورہ الاعراف کی آیت 46 میں بہشت اور دوزخ کے درمیان اعراف کی جس دیوار کا ذکر ہے وہ بھی اسی کتاب سے ماخوذ ہے جو محمد کے زمانہ سے تقریباً 400 سال پہلے مصر میں تصنیف ہو کر عیسائیوں کے درمیان مقبول ہو چکی تھی۔ ماریہ قبطیہ جو آپ کی ہم صحبت و ہمراز تھیں، اغلب ہے کہ یہ معلومات انہی کے ذریعہ آپ تک پہنچی۔

واضح رہے کہ "وصیت نامہ ابراہیم" میں جو ترازو والا مضمون ہے، اس کی اصل انجیل نہیں بلکہ درحقیقت قدیم مصریوں کی ایک پرانی کتاب "کتاب مردگان" ہے۔ اس کتاب کے اکثر نسخے مصری بت پرستوں کی پرانی قبروں سے برآمد ہوئے ہیں، کیوں کہ ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق اس کتاب کا مصنف ایک دیوتا تھا جس کا نام "تھوتھ" تھا۔ مردے کے ساتھ اس کتاب کو رکھ دینے سے ان کی غرض یہ تھی کہ متوفی آخرت میں اس کی تعلیم پائے۔ اس کتاب کی فصل 125 کے سر پر ایک تصویر ہے جس میں دو دیوتا "حور" اور "انپو" کسی نیک شخص کے دل کو ترازو کے ایک پلڑے پر تول رہے ہیں، دوسرے پلڑے میں مات یعنی راستی کا بت رکھا ہوا ہے۔ ایک اور دیوتا جس کا نام تھوتھ ہے، متوفی کے اعمال کے حساب کو ایک طومار میں لکھ رہا ہے۔

ان تمام روایات اور حکایت کو بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ واضح ہو جائے کہ قرآن میں میزان کا جو تصور ہے، اس کا سرچشمہ انجیل کی بجائے کہاں کہاں ہے۔

ان کے علاوہ ایک دلچسپ بات ہمیں اپنی تحقیق میں نظر آئی کہ جہاں قرآن کی متعدد آیات انجیل کی بجائے عیسائیوں کی موضوعہ (خیالی) کتابوں سے ماخوذ ہے، وہیں متعدد احادیث براہ راست انجیل سے مستعار ہے۔ اول تو ہم طوالت کے سبب ان احادیث کا موازنہ انجیل سے کرنے سے معذور ہیں اور دوم یہ کہ ہمارا موضوع قرآن ہے، نہ کہ احادیث۔ چنانچہ ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ محمد نے اپنے وقت کے بدعتی عرب عیسائیوں سے بہت سے افسانے سیکھے اور ان کے عقائد سے آگہی حاصل کی، پھر وہی عقائد و حکایات بلا تحقیق آپ نے قرآن میں درج کر کے ان پر وحیٔ آسمانی کا نام چسپاں کر دیا۔ لہٰذا قرآن کا یہ دعویٰ کہ وہ اپنے پیش رو مصاحف یعنی توریت، زبور اور انجیل سے مطابقت رکھتا ہے، بے بنیاد ہے۔

اصحاب محمد کے اثرات

ہم اس سفر کے آخری پڑاؤ پر پہنچ چکے ہیں۔اب تک ہم نے دیکھا کہ قرآن کس طرح عرب جاہلیہ کے قصائد، پیش روؤں کے مقولوں، صائبین اور زرتشت کے عقائد، شاہان فارس کے قصوں، اہل عرب و عجم کی لوک کتھاؤں اور یہود و نصاریٰ کی تفسیروں اور حدیثوں پر بلا تکلف ہاتھ صاف کرکے اسے کلام الٰہی کا درج دے دیتا ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا محمد کا اپنا کچھ بھی قرآن میں شامل نہیں ہے؟ بالکل ہے اور یہی نہیں بلکہ ان کے قریبی اصحاب بھی اس معاملے میں ان کے شراکت دار ہیں۔ اس متعلق ہم پہلے ہی زرتشتی عقائد کے حوالے سے سلمان فارسی پر گفتگو کرچکے ہیں لیکن زیر نظر باب میں ہم محمد بن عبداللہ کے علاوہ ان کے کچھ ایسے مقربین پر نظر ڈالیں گے جو قرآن کی تالیف میں اپنا حصہ مختص کرکے نبوت کے شراکت دار بن گئے۔

لبید بن ربیعۃ بن مالک ابو عقیل العامری

لبید کا تعلق بنو عامر صعصۃ سے تھا جو قبیلہ ہوازن کی ایک ذیلی شاخ تھا۔ جی ہاں، وہی قبیلہ ہوازن جس سے پیغمبر اسلام کا تعلق تھا۔ اگرچہ لبید بھی ایک شاعر تھے لیکن اپنے عہد جوانی میں وہ جنگی سورما تھے۔ چنانچہ ان کے بیشتر اشعار قبائلی تنازعات پر مبنی ہیں۔ واضح رہے کہ ان کی ایک نظم بھی معلقات کا حصہ تھی۔ مسلم مورخین کے مطابق لبید قرآن کے کچھ اقتباسات سے کافی متاثر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ حافظ ابن عبد البر اور بعض دوسرے اہل سیر کے مطابق لبید نے 9 ہجری میں اسلام قبول کیا، اس وقت ان کی عمر بہ اختلاف روایت 90 یا 113 سال تھی۔ جب کہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ لبید 145 سال کی عمر میں بمقام کوفہ وفات پائی۔ گویا وہ حالت اسلام میں 22 برس زندہ رہے جب کہ اصابہ اور آغانی کی روایت کے مطابق وہ حالت اسلام میں 55 برس جیے۔ مسلم مورخین کا یہ دعویٰ کہ جب لبید نے سورۃ بقرہ کی پہلی آیت کعبہ پر آویزاں دیکھی تو وہ مشرف بہ اسلام ہوگئے، محض ایک دعویٰ ہی ہے، کیوں کہ سورۃ بقرہ کی پہلی آیت حروف مقطعات یعنی الف لام میم ہے جس کے بارے میں خود پیغمبر اسلام کا کہنا ہے کہ اس کے معنیٰ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اب یہاں دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں؛ یا تو لبید اور اللہ

دونوں ہم وصف تھے کہ اللہ کے علاوہ لبید بھی اس کے معنی سے واقف تھے یا پھر مورخین افسانہ طرازی کر رہے ہیں۔ دوسری جانب یہ بھی واضح ہے کہ اگر لبید ایک بے معنی اور بے مطلب فقرے پر فریفتہ ہو کر مسلمان ہو گئے تھے تو اغلب ہے کہ وہ محمد کو ویسے اشعار خلق کرنے میں تعاون بھی دیتے ہوں گے، جسے بعد میں جبرائیل کے توسط سے اللہ کا کلام ثابت کر دیا گیا۔

لبید کے قبول اسلام کے تعلق سے بڑے بڑے دعوے پائے جاتے ہیں اور ان دعوؤں کو قرآن کی فصاحت و بلاغت کے علاوہ کلام الٰہی ہونے کے ثبوت کے طور پر بھی پیش کیا جاتا ہے۔ جان ڈیون پورٹ کے مطابق لبید نے قرآن کی کچھ آیات کو کعبہ پر آویزاں دیکھا اور شرما کر اپنے قصیدے کو اتار لے گئے اور مسلمان ہو گئے۔ خلیفہ محمد حسن کہتے ہیں کہ " یہی وجہ تھی لبید جیسا صاحب طرز شاعر بے اختیار بول اٹھا کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے اور فوراً مسلمان ہو گیا کیوں کہ بہ سبب اس کمال واقفیت اور مہارت کے جو فن فصاحت و بلاغت میں اسے حاصل تھی، وہ اس بات کو جانچنے کی قابلیت رکھتا تھا کہ انسان ایسا کلام کر سکتا ہے یا نہیں۔" (اعجاز التنزیل، صفحہ 503)

اس طرح کے دلائل اور شہادت سے تحقیق آسان ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس بحث کا آغاز کریں، ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ دو زمانوں میں منقسم ہے۔ ایک تو وہ دور جس میں سوائے ایمان کے اور کوئی شے کسی شخص کو اسلام کی طرف کھینچنے والی نہ تھی۔ لا اکراہ فی الدین اسلام کا دستور العمل تھا۔ یہ زمانہ مکہ کا ہے جس کی مدت 13 سال تھی۔ دوسرے دور کی شروعات مدینہ ہجرت کے بعد ہوئی۔ یہاں ''لا اکراہ فی الدین'' عملاً منسوخ کر دیا گیا اور اسلام پر جاہ و جلال اور مال و منال کا اثر پڑا۔ اس زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے، ان میں یقیناً سینکڑوں ایسے تھے جو خالص نیت سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے لیکن ان کا اسلام مشتبہ بھی ہوا۔ رسول اللہ کے ساتھ جو لوگ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے، ان کے مقابلے میں غلبۂ اسلام کے وقت ہجرت کر کے آئے ہوئے لوگ وقعت نہ پا سکے۔ یہ دوسرا دور ایسا آیا اور حالات کچھ ایسا پلٹا کھا گئے کہ اس میں ہجرت بھی مشتبہ ہو گئی اور اسلام بھی۔ آگے بڑھنے سے قبل ہمیں یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ "غلبۂ اسلام" کا زمانہ کسے قرار دیں؟ خلیفہ سید محمد حسن صاحب نے اپنے دعوے کی تائید میں سر سید کا ایک قول سنداً نقل کیا ہے، "سورۂ نور اور سورۂ بقرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئیں، جب آنحضرت کو بخوبی قوت حاصل ہو گئی تھی۔" (اعجاز التنزیل، صفحہ 330)

معروف مورخ ابن خلدون لکھتا ہے، ''اس وقت سب سے پہلے جہاد کی یہ آیت اللہ جل شانہ نے نازل فرمائی تھی، وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ اس کے بعد بحکم الٰہی اپنے اصحاب کو مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر جانے کا ارشاد فرمایا۔'' اس مضمون کی دو آیتیں ہیں؛ ایک سورۂ بقرہ میں اور دوسری سورۂ انفال میں۔ سورۂ انفال بھی زمانۂ فتح بدر میں نازل ہوئی (ابن ہشام)۔

میرے خیال میں اگر ہم فتح بدر کو غلبۂ اسلام کا زمانہ قرار دیں تو کسی مسلمان کو ہم سے اختلاف نہ ہوگا کیوں کہ اس جنگ میں مشرکین مکہ پر ایسی ضرب پڑی کہ لوگوں کو مسلمانوں کی نمایاں فتح پر کسی قسم کا کوئی شک باقی نہ رہا۔ غزوۂ بدر ماہ رمضان یعنی ہجرت کے دوسرے سال واقع ہوا۔

اب آجایئے اصل موضوع یعنی لبید بن ربیعہ کے قبول اسلام کی طرف، خیر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ شعرائے عصر کے سرتاج بھی تھے اور بعد میں مسلمان بھی ہوگئے۔ لیکن یہ بات ہرگز سچ نہیں کہ وہ قبل غلبۂ اسلام مسلمان ہوئے اور کعبہ پر چند آیات قرآنیہ کو آویزاں دیکھ کر اور شرما کر اپنے قصیدے کو اتار لے گئے۔ میں یہ بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں کہ ''قبل غلبۂ اسلام'' کوئی آیات قرآنیہ کبھی کعبہ پر آویزاں کی گئی یا کعبہ کی چار دیواری کے اندر للکار کر سنائی گئی ہو۔ جان ڈیون پورٹ کا محولہ بالا دعویٰ بلاحوالہ و بلاسند ہے۔ حالاں کہ لبید کے احوال زندگی معتبر تاریخ اسلام میں موجود ہیں جن سے اس دعوے کا رد بآسانی کیا جا سکتا تھا۔ میں اسے مختصراً یہاں پیش کر دیتا ہوں۔

چھٹے سال بعثت تک لبید اسلام کے دشمنوں کے ہم نشین اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے والے ہم کو مکہ میں ملتے ہیں۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ مکہ آئے تو اہل مکہ نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ انہوں نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ایک دن ایسی ہی ایک محفل میں وہ اپنا قصیدہ سنا رہے تھے، جب یہ مصرع پڑھا؛ ''الا کل شئ ما خلا اللہ باطل '' (خبردار رہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے) تو صحابیٔ رسول عثمان بن مظعون جو اس مجلس میں موجود تھے، بے اختیار پکار اٹھے؛ ''تم نے سچ کہا۔'' لیکن جب لبید نے دوسرا مصرع پڑھا؛ ''وکل نعیم لامحالۃ زائل'' (اور ہر نعمت لا محالہ زائل ہونے والی ہے)، تو عثمان بن مظعون بول اٹھے؛ ''یہ غلط ہے، جنت کی نعمتیں ابدی ہیں اور کبھی زائل نہ ہوں گی۔'' اس پر سارے مجمع میں شور مچ گیا، لوگ عثمان بن مظعون کو برا بھلا کہنے لگے اور لبید سے یہ شعر دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے شعر کی تکرار کی تو عثمان نے بھی اپنے الفاظ کا اعادہ کیا۔ اس پر لبید سخت برافروختہ ہوئے اور قریش سے مخاطب ہو کر کہنے لگے؛

"اے برادران قریش! خدا کی قسم پہلے تمہاری مجلسوں کی یہ کیفیت نہ تھی، نہ ان میں بیٹھنا کسی کے لیے باعث ننگ و عار تھا اور نہ کبھی بد تمیزی نے ان میں راہ پائی تھی۔ اگر یہ شخص مجھے اسی طرح ٹوکتا رہا تو میں اپنا کلام سنا چکا۔" لبید کی باتیں سن کر مشرک بھڑک اٹھے اور انہوں نے عثمان بن مظعون کو برا بھلا کہنے پر ہی اکتفانہ کیا بلکہ ان پر ہاتھ اٹھانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

9 ہجری کا نام سنتہ الوفود کہا جاتا ہے (ابن ہشام)، کیوں کہ قبائل عرب کے ایلچی آنے لگے اور مسلمان ہونے لگے۔ بنی عامر کی طرف سے لبید کا اخیافی بھائی اربد بن قیس، عامر بن الطفیل کے ساتھ رسول اللہ کے پاس مدینہ آیا۔ یہ شخص محمد کو دھوکے سے قتل کرنے آیا تھا، مگر اس کو موقع نہ ملا اور ناکام لوٹ گیا۔ جب کہ طبقات واقدی میں ہے کہ اس عامر نے جو لبید کا رشتہ میں بھائی تھا، پیغمبر اسلام کے ساتھ گستاخانہ کلام کیا تھا اور انہوں نے اسے بد دعا دی تھی۔ چنانچہ جب یہ لوگ لوٹے تو راہ میں عامر طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا اور اربد کے اوپر بجلی گری۔ لبید کو اپنے ان بھائیوں کی موت کا سخت صدمہ ہوا۔ انہوں نے ایک مرثیہ میں اربد کی شجاعت و سخاوت کی بڑی ہی مبالغہ آمیز تعریفیں کیں اور اس کی نیک خو خصلت کی مدح سرائی کی لیکن اس میں ایک بیت بھی ایسا نہیں ہے جس سے لبید کے دل میں اسلام کی رمق تک نظر آئے۔ (ابن ہشام، تنزیہ الفرقان)

اب جب یہ سب ہو چکا اور اسلام غالب آیا تو کچھ حیرت نہیں کہ لبید بن ربیعہ نے اسلام قبول کر لیا، جیسا کہ "کتاب الاغانی" (الجز الرابع عشر، صفحہ 93-94) میں درج ہے، "لبید اپنے بھائی اربد اور عامر کی موت کے بعد بنی کلاب کے ایلچیوں میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔" چنانچہ لبید کا قرآن کو فصاحت و بلاغت کا سرٹیفکیٹ دینا بالکل بے سود اور ناقابل قبول ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ سو برس کا بڈھا شاعر ان 13 برسوں تک کہاں تھا جب رسول اللہ مکہ میں قرآن کے سننے والوں کو کوچہ و بازار میں تلاش کرتے پھرتے تھے؟ اس زمانہ میں جب قرآن اس کی حمایت کا از بس محتاج تھا، لبید نے اس کی داد رسی کیوں نہیں کی؟ اگر فصاحت و بلاغت قرآن کا خاص الخاص معجزہ تھا اور وہ اہل عرب کے فصحا و بلغا کے مذاق کے عین مطابق تھا، تو لبید فن فصاحت و بلاغت میں کامل مہارت اور واقفیت رکھنے کے باوجود اس کی طرف مائل کیوں نہیں ہوئے؟ جب سورہ اقرا، مدثر یا مزمل یا لیل یا فجر یا ضحےٰ نازل ہوئیں تو انہوں نے اسلام قبول کیوں نہیں کیا؟ حیرت ہے کہ لبید جیسے شاعر کو قرآن کی فصاحت و بلاغت دریافت کرنے میں اتنی مدت لگ گئی اور اس نے اس مبارک زمانے کو ضائع کر دیا، جب کہ وہ عام لوگ جو نہ فصاحت و

بلاغت کا درک رکھتے تھے اور نہ اس کی قدر کرتے تھے، وہ تو مسلمان ہوتے گئے اور مصیبتیں جھیلیں لیکن لبید نے انتہائی درجے کی بے اعتنائی دکھائی۔ لبید کا شمار ان دشمنان اسلام میں ہوتا ہے جو مخلص اور جاں باز مسلمانوں کو اذیتیں پہنچاتے رہے لیکن غلبہ اسلام کے بعد تیور فلک پہچان کر مسلمان ہوگئے۔ لبید کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کو مؤلفۃ القلوب کہتے ہیں، یعنی جن کے دل انعام و اکرام کی لالچ سے اسلام کی طرف مائل ہوگئے۔ كان لبيد و عقلة بن علاثة العامر من المولفة قلوبهم۔ (خزانۃ الادب، شیخ عبد القادری، جلد اول، صفحہ 337)

بہرحال، لبید نے اسلام قبول کرنے کے بعد لکھنا ترک کر دیا۔ لوگوں نے جب اس کی وجہ جاننی چاہی تو وہ بڑے معنی خیز انداز میں کہا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھے شعر کے عوض سورہ بقرہ اور آل عمران دی ہیں۔ لبید کا یہ بیان اس شک کو ہوا دینے کے لیے کافی ہے کہ انہوں نے ہی ان دونوں سوروں کو خلق کیا تھا یا ان دونوں سوروں کی بیشتر آیات کو خلق کیا تھا۔ اس شک کو اس روایت سے مزید تقویت مل جاتی ہے کہ خلیفۂ دوم عمر فاروق نے جب لبید سے دریافت کیا کہ آپ نے زمانۂ اسلام میں کون سے اشعار کہے تو انہوں نے جواب میں وہی کہلا بھیجا کہ شعر کے عوض مجھے اللہ نے بقرہ اور آل عمران دی ہیں۔ عمر اس جواب سے اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے لبید کا وظیفہ بڑھا کر دو ہزار کر دیا۔

لبید کی شاعری سے محمد کافی متاثر تھے۔ کچھ حوالے پیش خدمت ہیں:

> ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا، ان سے سفیان نے بیان کیا، ان سے عبد الملک نے، انہوں نے کہا ہم سے ابو سلمہ نے اور ان سے ابوہریرہؓ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کی شعراء کے کلام میں سے سچا کلمہ لبید کا مصرعہ ہے جو یہ ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ ہے سب معدوم و فنا ہونے والا ہے۔ امیہ بن ابی الصلت شاعر تو قریب تھا کہ مسلمان ہو جائے۔ (صحیح بخاری، 6147)
>
> ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان نے بیان کیا، ان سے عبد الملک نے، ان سے ابو سلمہ نے، ان سے ابوہریرہؓ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "سب سے سچی بات جو کوئی شاعر کہہ سکتا تھا وہ لبید شاعر نے کہی "ہاں اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔" اور امیہ بن ابی الصلت (جاہلیت کا ایک شاعر) مسلمان ہونے کے قریب تھا۔ (صحیح بخاری، 3841)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شاعروں میں سب سے زیادہ سچ کلام لبید کا یہ کلام ہے کہ "خبردار اللہ کے علاوہ ہر چیز لغو ہے" اور ابوصلت کا بیٹا امیہ اسلام کے قریب تھا (کیونکہ اس کے عقائد اچھے تھے گو وہ اسلام سے محروم رہا)۔ (صحیح مسلم، 1507)

میرے خیال میں محمد شروع میں ایک مقبول شاعر بننا چاہتے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے معروف شعراء کے اسلوب، لفظیات، تراکیب، آہنگ وغیرہ کی نقل کرکے انہی کی طرح بننے کے خواہش مند تھے۔ لیکن ان کی (شعری) ناخواندگی ان کے راستے کا روڑا ثابت ہوئی۔ مشکوٰۃ میں عمرو بن الشرید سے روایت کہ انہوں نے سنا اپنے باپ سے جو کہتے تھے کہ ایک دن میں رسول اللہ کے پیچھے سوار تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ کو امیہ بن ابی الصلت کا کچھ کلام یاد ہے؟ میں نے کہا، ہاں۔ آپ نے فرمایا، پڑھ۔ تب میں نے ایک بیت پڑھا۔ آپ نے فرمایا، اور پڑھ۔ میں نے ایک بیت اور پڑھا۔ آپ نے فرمایا، اور پڑھ۔ اس طرح میں نے ایک سو بیت پڑھ ڈالے۔ محمد خود بھی اکثر عمدہ اشعار موقع سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگ میں آپ کی انگلی سے خون نکلا۔ آپ نے حسب حال ایک شعر پڑھا۔ یوم خندق آپ کام کرتے جاتے تھے اور اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ یہ بھی مشکوٰۃ کے اسی باب میں مذکور ہے۔ قبل اسلام کے شعراء میں محمد کو قس بن ساعدۃ ایادی کا کلام (نثر و نظم) بہت مرغوب تھا۔ شاہ عبدالعزیز، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ "قوم بکر بن وائل کی طرف سے لوگ رسول اللہ کے پاس آئے۔ پھر جب اپنی ضروریات سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ نے فرمایا، تم لوگوں میں سے کوئی قس بن ساعد ایادی کو بھی جانتا ہے؟ وہ بولے کہ ہم سے میں ہر ایک اس کو جانتا ہے۔ آپ نے پوچھا، اس کا کیا ہوا؟ وہ بولے، مر گیا۔ چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا میں گویا اس وقت اس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ بازار عکاظ میں لال اونٹ پر سوار کھڑا یہ کہہ رہا ہے:

اے لوگو! جمع ہو، کان دھر کے سنو اور یاد رکھو جو زندہ رہا وہ مرا، اور جو مرا وہ گیا گذرا ہوا۔ اور جس کو آنا ہے، وہ ضرور آئے گا۔ بلاشک آسمان میں بھلائی ہے اور زمیں میں عبرتیں۔ ایک ستون کھڑا ہے اور سقف بلند ہے۔ دریا موج مار رہا ہے اور سودا بے نقصان ہے۔ رات اندھیری ہے اور آسمان برجوں والا ہے۔ میں قس، سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ شروع خوب ہوتا ہے تو پیچھے برائی ہوتی ہے۔ بے شک خدا قادر کی

طرف سے ایک دین ہے جو اس کو اس دین سے زیادہ پسند ہے جس پر تم لوگ ہو۔ یہ کیا بات ہے جو میں دیکھتا ہوں؟ لوگ گذر جاتے ہیں اور لوٹ کر نہیں آتے۔ کیا ان کا دل لگ گیا اور وہیں بس گئے یا چھوڑ دیے گئے اور سو رہے؟

پھر ابو بکر نے کچھ شعر کہے جو قس کے کلام سے اس کو یاد تھے۔ اگلے وقتوں کے گئے گذرے لوگوں کے حالات سے ہم کو دانائی حاصل ہوتی ہے۔ الخ"

معلوم ہوا کہ رسول اللہ کا حافظہ کافی زبردست تھا۔ قس کا درج بالا کلام جو نثر میں ہے، آپ کے ذہن میں ایک مدت بعد بھی زندہ اور تر و تازہ رہا۔ چنانچہ کچھ عجب نہیں کہ قرآن کے اندر صدہا ایسے متفرق کلام نثر و نظم جوں کا توں یا کچھ رد و بدل کے ساتھ محفوظ رہ گیا ہو۔

روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ فن شاعری سے والہانہ دلچسپی رکھنے کے باوجود رسول اللہ موزونیٔ طبع سے محروم تھے، آپ اچھے خاصے شعر کو پڑھتے وقت ساقط الوزن کر دیتے۔ ایک بار جب آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

ستبدی لك الایام ما کنت جاهلا

ویاتیك من لم تزود بالاخبار

خلیفۂ اول ابو بکر موجود تھے، انہوں نے ٹوکا کہ شعر اس طرح نہیں بلکہ اس کا مصرعۂ ثانی یوں ہے:

ویاتیك بالاخبار من لم تزود

ایک مرتبہ رسول اللہ نے یہ مصرع بطور مثال پڑھا ؎

کفی بالاسلام و الشیب للمرء ناهیا

اس بار بھی ابو بکر نے ٹوکا کہ اے اللہ کے نبی! شاعر نے تو اس طرح کہا ہے:

کفی الشیب و الاسلام بالمرء ناهیا

قصہ مختصر کہ رسول اللہ کی ملاقات زید بن عمرو بن نفیل اور لبید جیسے مرشدوں سے ہوئی، جنہوں نے شاید ان کی ناموزونیٔ طبع کو دیکھتے ہوئے ان کا نصاب اور نصب العین ہی بدل دیا۔ محمد نے بھی اپنے سرپرستوں کے مشورے پر اپنا ذہن بدل لیا۔ میرے اس دعوے کی تصدیق اس بات سے کی جا سکتی ہے کہ خود اہل قریش بھی یہی سمجھتے تھے کہ محمد محض ایک شاعر بننے کے خواہاں ہیں لیکن بر وقت اللہ نے صفائیاں پیش کرنی شروع کر دیں:

"کیا کافر کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں۔" (الطور:30)

"بلکہ کہنے لگے کہ (یہ قرآن) پریشان خواب ہیں۔ بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے بلکہ شاعر (کا نتیجہ طبع) ہے۔......" (الانبیا:5)

"اور ہم نے ان (پیغمبر) کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کو شایاں ہے۔ یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے۔"(یٰسین:69)

"اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔"(الصافات:36)

"اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، مگر تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو"(الحاقہ:41)

لبید کا دیوان چھپ چکا ہے اور اس کی جرمن زبان میں شرح بھی لکھی جا چکی ہے۔ جو لوگ فن شاعری کے رمز شناس ہیں، وہ لبید کا دیوان بغور مطالعہ کریں، شرح پڑھیں اور اس کا موازنہ بطور خاص سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران یا پھر ان قرآنی آیات سے کریں جن کے موضوعات تقویٰ، آخرت، اخلاقیات اور عرب کے رسومات ہیں؛ تو لبید کے اس دعوے کی وجہ خاص سمجھ میں بخوبی آجاتی ہے کہ انہیں کیوں سورہ بقرہ اور آل عمران عزیز تھے۔ قرآن کی دوسری آیات کے مقابلے میں متذکرہ آیات کا موضوع، اسلوب، صنائع و بدائع، تراکیب، تشبیہ و استعارہ وغیرہ لبید کے دیوان میں موجود اشعار سے کتنی مماثلت رکھتے ہیں، اس کا اندازہ شاعری کا ایک معمولی طالب علم بھی بآسانی لگا سکتا ہے۔ لبید بن ربیعہ کی شاعری اور شخصیت کے تفصیلی مطالعہ کے لیے درج ذیل کتابیں کافی اہم ثابت ہو سکتی ہیں:

1. Arberry, A.J. The Seven Odes: The First Chapter in Arabic Literature. New York, Macmillan, 1957.
2. Allen, Roger. An Introduction to Arabic Literature, Cambridge, U.K; Cambridge University Press, 2000.
3. Huart, Clement. A History of Arabic Literature, Beirut; Khayats, 1966.

درج ذیل لنک میں لبید کی ایک نظم کا اصل عربی متن اور اس کا انگریزی ترجمہ شامل ہے

لیکن اس کے علاوہ اس نظم کی شرح اور اس کے شعری محاسن پر بھی ایک عمدہ تبصرہ موجود ہے جو قارئین کو لبید کی شاعری کے کلیدی اسلوب کی جانب رہنمائی کرنے میں معاون ہو سکتا ہے:

http://poemsintranslation.blogspot.in/2012/08/labid-lament-for-arbad-from-arabic.html.

عمر ابن الخطاب

اعلان نبوت کے چھ سال بعد خلیفۂ دوم عمر ابن الخطاب نے اسلام قبول کیا۔ تنک مزاج، تند خو اور غصیل عمر، محمد کے سسر بھی تھے اور ان کے مقرب خاص بھی۔

محمد کا کہنا تھا کہ "جبرئیل اور میکائیل میرے دو آسمانی وزیر ہیں جب کہ ابو بکر و عمر میرے دو زمینی وزیر ہیں۔" (ترمذی)

محمد نے فرمایا، "اے عمر! شیطان تم کو دیکھتے ہی راستہ کاٹ جاتا ہے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

محمد کا ہی قول ہے، "میری امت میں اللہ کے دین کے معاملے میں سب سے سخت عمر ہیں۔" (صواعق محرکہ)

اور بھی متعدد احادیث ہیں جن سے عمر ابن الخطاب کی اہمیت اور ان کے دبدبے کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہاں ان کا کردار موضوع بحث نہیں ہے، اس لیے ان جزئیات سے قطع نظر ہم حرف مقصد پر آتے ہیں۔

محمد نے عمر کے تعلق سے ایک بار فرمایا تھا؛ "میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔" (سنن ترمذی، جلد 5، ص 385، حدیث:3806؛ مشکوۃ، ص 558) اس اگر مگر سے قطع نظر میرا دعویٰ ہے کہ خود محمد کے زمانے میں ہی عمر منصب نبوت پر فائز ہو چکے تھے، کیوں کہ کلام الٰہی کے "نزول" میں ان کا تعاون اتنا زیادہ ہے کہ معترضین کے علاوہ علمائے اسلام بھی اس کا آج تک فخریہ اظہار کرتے چلے آئے ہیں کہ عمر کے مشوروں پر کئی قرآنی آیات نازل ہوئیں، گویا عمر کی فضیلت صرف اتنی ہی نہیں کہ ان کا شمار محمد کے خاص اصحاب میں ہوتا تھا، بلکہ وہ بیک وقت اللہ تبارک تعالیٰ کے مشیر خاص بھی واقع ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ علی بھی اس بات کی تصدیق یوں کرتے ہیں کہ "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان پر فرشتہ کلام کرتا ہے۔" (حلیۃ الاولیا، جلد اول، ص 77، الرقم: 96)

قرآن کی بعض آیات وہ ہیں جو عمر بن الخطاب کی رائے کے موافق نازل ہوئیں یعنی آپ نے محمد کو کسی معاملے میں رائے پیش کی تو اسی کے مطابق و موافق قرآنی آیت نازل ہو گئی، جیسا کہ علی نے فرمایا؛ "قرآن کریم کے بعض احکام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق ہیں۔" (سیرۃ حلبیہ، جلد اول، ص 474) قرآن میں ایسی آیات کی تعداد بقول ابن حجر عسقلانی 15 ہے اور امام ابن حجر ہیتمی کے مطابق ان کی تعداد 17 ہے، جب کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے تتبع کر کے ان کا عدد 20 تک پہنچا دیا ہے۔ یہاں ان میں سے بعض کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے:

(1) حجاب کے احکام سے قبل عمر نے عرض کیا، یارسول اللہ! ازواج مطہرات کے سامنے طرح طرح کے لوگ آتے ہیں، اس لیے آپ انہیں پردے کا حکم دیجیے۔ اس پر یہ آیت نازل ہو گئی۔ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ [اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر مانگو] (الاحزاب:53، کنزالایمان، تاریخ الخلفا، صحیح بخاری 4790)

(2) ایک بار عمر نے دریافت کیا؛ یارسول اللہ! ہم مقام ابراہیم کو مصلیٰ نہ بنالیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہو گئی

وَٱتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِـۧمَ مُصَلًّى

اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔

(البقرۃ:125؛ کنزالایمان، تاریخ الخلفاء، صحیح بخاری، 402)

(3) بدر کے قیدیوں کے متعلق بعض نے فدیہ کی رائے دی، جب کہ عمر نے انہیں قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر آپ کی موافقت میں یہ آیت نازل ہو گئی؛

لَّوْلَا كِتَٰبٌ مِّنَ ٱللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

اگر اللہ ایک بات پہلے لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں نے بدلے کا مال لے لیا، اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔

(الانفال:68؛ کنزالایمان، تاریخ الخلفاء، صحیح مسلم:1763)

(4) محمد کا اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کے پاس جانا بعض ازواج کو ناگوار لگا تو عمر نے ان سے فرمایا؛

عَسَىٰ رَبُّهُۥٓ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبۡدِلَهُۥٓ أَزۡوَٰجًا خَيۡرًا مِّنكُنَّ

اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو قریب ہے کہ ان کا رب انہیں تم سے بہتر بیویاں بدل دے۔
بالکل انہی الفاظ کے ساتھ وحی نازل ہو گئی۔(التحریم:5؛ تاریخ الخلفاء)

(5) حرمت سے قبل مدینہ میں شراب اور جوئے کا عام روا تھا۔ عمر نے محمد کو کہا کہ ہمیں شراب اور جوئے کے متعلق ہدایت دیجیے کیوں کہ یہ مال اور عقل دونوں ضائع کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی؛

يَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِۖ قُلۡ فِيهِمَآ إِثۡمٞ كَبِيرٞ

تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔
(البقرۃ:219؛ کنزالایمان، تاریخ الخلفاء)

(6) ایک بار ایک شخص نے شراب کے نشہ میں نماز پڑھائی تو قرآن غلط پڑھا۔ اس پر عمر نے پھر وہی عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی؛

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقۡرَبُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمۡ سُكَٰرَىٰ

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔(کنزالایمان، تاریخ الخلفاء)

(7) اسی سلسلے میں عمر نے بار بار دعا کی؛ الٰہی! شراب اور جوئے کے متعلق ہمارے لیے واضح حکم نازل فرما۔ یہاں تک کہ شراب اور جوئے کے حرام ہونے پر یہ آیت نازل ہو گئی؛

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں، سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔(المائدہ:90؛ تاریخ الخلفاء)

(8) جب منافق عبداللہ ابن اُبی مرا تو اس کے لوگوں نے محمد سے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے درخواست کی۔ اس پر عمر نے کہا؛ یارسول اللہ! عبداللہ ابن اُبی تو آپ کا سخت دشمن اور

منافق تھا، آپ اس کا جنازہ پڑھیں گے؟ محمد نے تبلیغ دین کی حکمت کے پیش نظر اس کی نماز جنازہ تو پڑھا دی لیکن عمر کی ناراضگی کو رفع کرنے کی غرض سے تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ یہ آیت بھی نازل کر دی:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا

اور جب ان (منافقوں) میں سے کوئی مرے تو اس پر نماز نہ پڑھو۔

(سورۂ توبہ:84؛ تاریخ الخلفاء)

(9) اسی نماز جنازہ کے حوالے سے عمر نے عرض کیا:

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ

ان منافقوں کے لیے استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے۔

انہی الفاظ پر قرآن کی آیت نازل ہوئی۔(المنافقون:6؛ طبرانی، تاریخ الخلفا)

(10) جس وقت محمد نے جنگ بدر کے سلسلہ میں صحابہ سے باہر نکل کر لڑنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا تو اس وقت عمر نے نکلنے کا ہی مشورہ دیا اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيْتِكَ بِٱلْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ لَكَـٰرِهُونَ

جس طرح تمہارے پروردگار نے تم کو تدبیر کے ساتھ اپنے گھر سے نکالا اور (اس وقت) مومنو کی ایک جماعت ناخوش تھی (الانفال:5؛ کنز الایمان، تاریخ الخلفاء)

(11) ام المومنین عائشہ پر جب منافقوں نے بہتان لگایا تو محمد نے عمر سے مشورہ فرمایا۔ آپ نے عرض کیا؛ میرے آقا! آپ کا ان سے نکاح کس نے کیا تھا؟ محمد نے ارشاد فرمایا؛ اللہ نے۔ اس پر آپ نے عرض کیا، کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے رب نے آپ سے ان کا عیب چھپایا ہو گا، بخدا یہ عائشہ پر عظیم بہتان ہے۔

سُبْحَـٰنَكَ هَـٰذَا بُهْتَـٰنٌ عَظِيمٌ

اسی طرح آیت نازل ہوئی۔(النور:16، تاریخ الخلفاء)

(12) ابتدائے اسلام میں رمضان کی رات میں بھی بیوی سے قربت منع تھی۔ عمر نے اس کے بارے میں کچھ عرض کیا۔ اس کے بعد شب میں مجامعت کو جائز قرار دے دیا گیا اور آیت نازل ہوئی؛

أُحِلَّ لَكُمۡ لَيۡلَةَ ٱلصِّيَامِ ٱلرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمۡۚ

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا۔

(البقرۃ:187؛ کنز الایمان، تاریخ الخلفا)

(13) ایک یہودی نے عمر سے کہا؛ جبرئیل فرشتہ جس کا ذکر تمہارے نبی کرتے ہیں، وہ ہمارا دشمن ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَجِبۡرِيلَ وَمِيكَىٰلَ فَإِنَّ ٱللَّهَ عَدُوٌّ لِّلۡكَٰفِرِينَ

جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا، تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

بالکل انہی الفاظ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (البقرۃ:98، تاریخ الخلفاء)

(14) دو شخص لڑائی کے بعد انصاف کے لیے محمد کے سامنے حاضر ہوئے۔ محمد نے ان کا فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف یہ فیصلہ ہوا، وہ منافق تھا۔ اس نے کہا کہ چلو، عمر کے پاس چلیں اور ان سے فیصلہ کرائیں۔ چنانچہ یہ دونوں اور جس شخص کے موافق حضور نے فیصلہ کیا تھا، اس نے عمر سے کہا؛ حضور نے تو ہمارا فیصلہ اس طرح فرمایا تھا لیکن یہ میرا ساتھی نہیں مانا اور آپ کے پاس فیصلے کے لیے لے آیا۔ آپ نے فرمایا، ذرا ٹھہرو میں آتا ہوں۔ آپ اندر سے تلوار نکال لائے اور اس شخص کو جس نے حضور کا فیصلہ نہیں مانا تھا، قتل کر دیا۔ دوسرا شخص بھاگا ہوا محمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا، مجھے عمر سے یہ امید نہیں کہ وہ کسی مومن کے قتل پر اس طرح جرأت کرے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور عمر اس منافق کے خون سے بری رہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُواْ فِيٓ أَنفُسِهِمۡ حَرَجٗا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسۡلِيمٗا

تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم، وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم حکم فرمادو، اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں (النساء:65؛ کنزالایمان، تاریخ الخلفاء)

(15) عمر ایک روز سو رہے تھے کہ آپ کا ایک غلام بغیر اجازت لیے اندر چلا آیا۔ اس وقت آپ نے دعا فرمائی؛ الٰہی! بغیر اجازت گھروں میں داخل ہونا حرام فرمادے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی؛

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَدۡخُلُواْ بُيُوتًا غَيۡرَ بُيُوتِكُمۡ حَتَّىٰ تَسۡتَأۡنِسُواْ وَتُسَلِّمُواْ عَلَىٰٓ أَهۡلِهَاۚ

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ (النور:27؛ کنزالایمان، تاریخ الخلفاء)

محولہ بالا روشن حوالوں کے بعد مزید کہنے کے لیے کیا بچتا ہے؟ آخر محمد نے یوں ہی عمر بن الخطاب کا مرتبہ نبی کے برابر نہیں کر دیا تھا، حتیٰ کہ انہوں نے یہ کہہ کر عمر کو اس جگہ بھی لا کھڑا کیا، جو انہوں نے خود کے لیے مختص کر رکھا تھا:

"جس سے عمر ناراض ہو جائے، اس سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے۔"

(جمع الجوامع، جلد اول، ص 83، حدیث 434)

حسان بن ثابت

حسان پیغمبر اسلام کے درباری شاعر تھے۔ حسان بن ثابت مدینہ میں پیدا ہوئے، ان کا تعلق قبیلہ بنو خزرج سے تھا۔ محمد کی وفات کے بعد حسان نے اسلام کی تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے مشرقی چین کی جانب سفر کیا۔ اس سفر میں ان کے ہم سفر سعد بن ابی وقاص، ثابت بن قیس اور اویس قرنی شامل تھے۔ مسلم مورخین کے مطابق حسان بن ثابت نے 120 سال کی عمر پائی، یعنی بغیر اسلام کے ساٹھ سال اور اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ساٹھ سال زندہ رہے۔

"سیرت رسول اللہ" کے معروف انگریزی مترجم Prof. Alfred Guillaume کا کہنا ہے، "حسان بن ثابت مہاجرین کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کیوں کہ ان کے خیال میں یہ خانہ بدوش مسلمان اسلام کے لیے مضر ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نہ تو کسی مہاجر کو اپنے گھر میں پناہ دی اور نہ ہی

ان میں سے کسی کو اپنا بھائی بنایا۔"

حسان پرلے درجے کے بزدل شخص تھے، انہوں نے کبھی بھی کسی غزوہ یا جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ یہ بھی لبید بن ربیعہ کی طرح موقع پرستی کے شکار تھے اور کوئی جائے فرار نہ دیکھ کر غلبۂ اسلام کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔

پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ حسان بن ثابت ایک درباری شاعر تھے، جو بوقت ضرورت محمد کے حکم پر اہل قریش کی ہمت کو پست کرنے کے لیے ان کے خلاف ہجو کہا کرتے تھے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس زمانے میں اہل عرب میں شاعری کو کیا مقام حاصل تھا۔ قصیدہ کے علاوہ سب سے زیادہ مقبول صنف سخن ہجو تھی جو دشمنوں پر تلوار سے زیادہ کاری ضرب لگایا کرتی تھی۔ حسان اس فن میں طاق تھے اور محمد کے نزدیک ان کی قدر و منزلت کا واحد سبب یہی فن تھا۔ بطور حوالہ ہم یہاں کچھ احادیث کا صرف متعلقہ متن رقم کر رہے ہیں، تصدیق کے لیے حوالہ نمبر موجود ہے:

> عائشہ سے روایت ہے کہ حسان بن ثابت نے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت چاہی تو نبی نے فرمایا کہ ان کا اور میرا خاندان تو ایک ہی ہے (پھر تو میں بھی اس ہجو میں شریک ہو جاؤں گا)۔ حسان نے کہا کہ میں ہجو سے آپ کو اس طرح صاف نکال دوں گا جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، 6150)

> مسروق نے بیان کیا کہ ہم ام المومنین عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے یہاں حسان بن ثابت موجود تھے اور ام المؤمنین کو اپنے اشعار سنا رہے تھے۔ ایک شعر تھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ وہ سنجیدہ اور پاک دامن ہیں جس پر کبھی تہمت نہیں لگائی گئی، وہ ہر صبح بھوکی ہو کر نادان بہنوں کا گوشت نہیں کھاتی۔ اس پر عائشہ نے کہا لیکن تم تو ایسے نہیں ثابت ہوئے۔ مسروق نے بیان کیا کہ پھر میں نے ام المومنین سے عرض کیا' آپ انہیں اپنے یہاں آنے کی اجازت کیوں دیتی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرما چکا ہے "والذي تولى كبره منهم له عذاب عظيم" [اور ان میں وہ شخص جو تہمت لگانے میں سب سے زیادہ ذمہ دار ہے اس کے لیے بڑا عذاب ہو گا۔] اس پر ام المؤمنین نے فرمایا کہ نابینا ہو جانے سے سخت عذاب اور کیا ہو گا) حسان کی بصارت آخر عمر میں چلی گئی تھی(عائشہ نے ان سے کہا کہ حسانؓ رسول اللہ ﷺ کی

حمایت کیا کرتے تھے۔(صحیح بخاری،4146)

مختلف و متعدد احادیث میں حسان بن ثابت کو نہ صرف بطور شاعر اہمیت کا حامل قرار دیا گیا ہے بلکہ محمد نے انہیں وہ اعزاز دیا جو خلفائے راشدین تک کو نصیب نہیں ہوا۔ مسجد نبوی میں منبر کے بغل میں حسان بن ثابت کے لیے ایک اضافی شہ نشیں بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر وہ اشعار سنایا کرتے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ محمد نے کئی بار برملا یہ بھی کہہ دیا کہ جبرئیل ان کی رہنمائی کرتے ہیں ۔ اب یہ معمہ کوئی بھی حل کر سکتا ہے کہ جبرئیل کا سفر اللہ سے محمد تک کا تھا یا حسان سے محمد تک کا تھا۔ ملاحظہ ہو:

حسان بن ثابت ایک بار ابوہریرہؓ کو گواہ بنا کر کہہ رہے تھے کہ اے ابوہریرہ! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے حسان! اللہ کے رسول کی طرف سے مشرکوں کو جواب دو، اے اللہ! روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد کر۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہاں۔“ (صحیح بخاری،6152)

براء بن عازب نے بیان کیا کہ نبی نے حسان بن ثابت سے فرمایا کہ مشرکین کی ہجو کر، جبرائیل تمہارے ساتھ ہیں۔(صحیح بخاری،4123)

ام المؤمنین عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: قریش کی ہجو کرو کیونکہ ہجو ان کو تیروں کی بوچھاڑ سے زیادہ ناگوار ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کو سیدنا ابن رواحہؓ کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ قریش کی ہجو کرو۔ انہوں نے ہجو کی لیکن آپ ﷺ کو پسند نہ آئی۔ پھر سیدنا کعب بن مالکؓ کے پاس بھیجا۔ پھر سیدنا حسان بن ثابتؓ کے پاس بھیجا۔ جب سیدنا حسان آپ ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ تم پر وہ وقت آ گیا کہ تم نے اس شیر کو بلا بھیجا جو اپنی دم سے مارتا ہے (یعنی اپنی زبان سے لوگوں کو قتل کرتا ہے گویا میدان فصاحت اور شعر گوئی کے شیر ہیں)۔ پھر اپنی زبان باہر نکالی اور اس کو ہلانے لگے اور عرض کیا کہ قسم اس کی جس نے آپ کو سچا پیغمبر کر کے بھیجا ہے میں کافروں کو اپنی زبان سے اس طرح پھاڑ ڈالوں گا جیسے چمڑے

کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ الخ(صحیح مسلم، 1716)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب حسان کے پاس سے گذرے جو مسجد میں شعر پڑھ رہے تھے۔ عمر نے ان کی طرف (غصہ سے) دیکھا۔ حسان ؓ نے کہا کہ میں تو مسجد میں (اس وقت بھی) شعر پڑھتا تھا جب تم سے بہتر شخص (یعنی محمد) موجود تھے۔ الخ(صحیح مسلم، 1713)

محولہ بالا تمام احادیث کی روشنی میں اللہ اور جبرئیل کی مدد کی تکرار سے یہ اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں کہ عین ممکن ہے کہ جبرئیل نے وہ تمام ہجویانہ آیات جو قرآن میں مذکور ہیں، جبرئیل نے حسان بن ثابت سے لے کر محمد تک پہنچائی ہوں۔ بھلا حسان سے زیادہ کفاروں، مشرکوں، ملحدوں کو ایسے القابات سے کون نواز سکتا تھا۔ بندر، گدھا، سور، بہرے، اندھے، گونگے، جانوروں سے بدتر، نجس، گندگی، سرکش، فسادی، پست، مجرم، حقیر، ذلیل اور حتیٰ کہ حرامزادہ (سورۃ: 47:12 , 2:65 , 5:60 , 166:7 , 8:55 , 6:25 , 171:2 , 11:29 , 6:35 , 8:37, 13:17, 78:22, 5:68, 5:95, 17:18, 22:68:13 وغیرہ) جیسے متبرک الفاظ کسی قادر مطلق کے شایان شان تو ہو نہیں سکتے، البتہ یہ کسی حاسد اور فتنہ پرور کے دل کی بھڑاس نکالنے کا ذریعہ ضرور ہو سکتے ہیں جو اپنے مخالفین کو بات بات پر گالیاں دینے میں مہارت رکھتا ہو۔ بلاشبہ اس فن میں حسان بن ثابت کا کوئی مقابل نہ تھا، جن کا حسب ضرورت محمد استعمال کیا کرتے تھے لیکن مفت نہیں بلکہ انہیں باقاعدہ اس کا معاوضہ بھی ادا کیا کرتے تھے۔

جب "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" کی آیت نازل ہوئی تو ابو طلحہ نے کہا؛ اللہ کے رسول! میرا خیال ہے کہ رب ہم سے ہمارے مال مانگ رہا ہے، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اریحا نامی اپنی زمین اسے دے دی، اس پر رسول اللہ نے ان سے فرمایا؛ "اسے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو۔" تو انہوں نے حسان بن ثابت ؓ اور ابی بن کعب ؓ کے درمیان تقسیم کر دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب: رشتہ داروں پر صدقہ کی فضیلت، حدیث نمبر 998)

پیغمبر اسلام کے پاس یابور نامی ایک ہیجڑا بھی تھا جو مقوقس نے حضور کو ماریہ اور سرین نامی لڑکیوں کے ساتھ پیش کیا تھا جسے آپ نے کنیز بنا لیا۔ دوسرے سرین آپ نے حسان بن ثابت کو

دے دی۔(محمد بن جریر الطبری)

ظاہر ہے ان خصوصی انعام و اکرام کے علاوہ مال غنیمت میں بھی حسان بن ثابت کا حصہ مقرر ہوتا تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ وہ قرآن میں ہجویانہ رنگ بھرنے پر معمور جو تھے۔

محمد بن عبد اللہ کے نجی اثرات

بالآخر اس سوال سے سامنا کرنے کا وقت آن پہنچا کہ پیغمبر اسلام یعنی محمد بن عبد اللہ کی قرآن میں کیا شراکت ہے؟ انہوں نے صرف دوسروں کے اقوال، قصے کہانیوں کا سرقہ کیا یا انہوں نے بھی خود داد تخلیق دی؟ مسلمانوں کے مطابق محمد ایک جاہل انسان تھے۔ وہ لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے، چنانچہ وہ قرآن کیسے لکھ سکتے تھے۔ حالاں کہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک ان پڑھ شخص بھی سوچ سکتا تھا جسے الفاظ کا جامہ پہنانے کیلئے کاتبین وحی کی پوری فوج موجود تھی۔ ہم پہلے ہی لفظ "امی" پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں جسے یہاں دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

قرآن میں کئی آیات ایسی ہیں جو خود کلامی کے ذیل میں آتی ہیں یعنی ان آیات میں محمد خدا سے مخاطب ہیں نہ کہ خدا محمد سے۔ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن میں بیک وقت خدا اور محمد دونوں ایک دوسرے سے مخاطب ہیں، اور بیشتر ایسی ہیں جن میں محمد براہ راست لوگوں سے مخاطب ہیں، ان میں "قل" تک کا اہتمام بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ کچھ مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ

"کیا میں خدا کے سوا اور منصف تلاش کروں، حالاں کہ اس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔" (سورہ الانعام، 114)

[نوٹ: اس آیت میں پہلا ٹکڑے میں یعنی "کیا میں خدا کے سوا اور منصف تلاش کروں، حالاں کہ اس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے" محمد براہ راست لوگوں سے مخاطب ہیں لیکن پھر فوراً بعد یعنی آگے کے بقیہ ٹکڑے میں خدا درمیان میں آن ٹپکتا ہے اور جملہ مکمل کرتا ہے۔ واضح رہے کہ ہمارے مترجمین ایسے نازک وقت میں بریکیٹ کا استعمال خوب کرتے رہے ہیں، مثلاً اس آیت کی

شروعات وہ (کہہ دو) سے کرتے ہیں جب کہ قرآن کے اصل متن میں اس کا متبادل یعنی "قل" موجود ہی نہیں ہے۔]

قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا

"حکم ہوا کہ اسی طرح تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔" (سورہ مریم،9)

[نوٹ: اس آیت میں جبرئیل (یا پھر محمد؟) مخاطب ہیں نہ کہ اللہ۔]

وَمَا مِنَّآ إِلَّا لَهُۥ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ۔ وَإِنَّا لَنَحْنُ ٱلصَّآفُّونَ۔ وَإِنَّا لَنَحْنُ ٱلْمُسَبِّحُونَ

"اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام مقرر ہے اور ہم صف باندھے رہتے ہیں اور پاک (ذات) کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔" (سورہ الصافات،164-166)

[نوٹ: یہاں بھی جبرئیل (یا محمد؟) مخاطب ہیں نہ کہ اللہ۔]

فَفِرُّوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۖ إِنِّى لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ۔ وَلَا تَجْعَلُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۖ إِنِّى لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ

"تو تم لوگ خدا کی طرف بھاگ چلو میں اس کی طرف سے تم کو صریح رستہ بتانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔ میں اس کی طرف سے تم کو صریح رستہ بتانے والا ہوں۔" (سورہ الذاریات: 50-51)

[نوٹ: یہاں کون مخاطب ہے؟ جبرئیل یا محمد؟ اللہ تو ہرگز نہیں ہے۔]

فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ ٱلْمَشَٰرِقِ وَٱلْمَغَٰرِبِ إِنَّا لَقَٰدِرُونَ
عَلَىٰٓ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ

"ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کہ ہم طاقت رکھتے ہیں، اس بات پر کہ ان سے بہتر لوگ بدل لائیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔" (سورہ المعارج،40-41)

[نوٹ: کیا یہ محمد مخاطب نہیں ہیں ورنہ اللہ کس مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کھا رہا ہے؟]

قرآن میں متعدد ایسی آیات ہیں جنہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون کس سے مخاطب ہے؟ محمد اللہ سے، اللہ محمد سے، محمد جبرئیل سے، جبرئیل محمد سے یا محمد لوگوں سے؟ بطور خاص پورا سورۃ فاتحہ پڑھ ڈالیں اور پھر غور کریں کہ اللہ اپنے کس معبود کی عبادت میں مشغول ہے، وہ کس کی حمد و ثنا بیان کر رہا ہے؟ سچ پوچھیے تو ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ ہی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ قرآن الہامی کتاب ہر گز نہیں ہے۔ اور اس بات کا آخری ثبوت یہ ہے کہ محمد اپنی اور لوگوں کی خواہش کے مطابق خود پر آیتیں نازل کیا کرتے تھے، انہیں بدلنے پر قادر تھے، انہیں منسوخ بھی کر دیتے تھے، اس کی جگہ دوسری آیت بوقت ضرورت لے آتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ مثلاً، زینب بنت جحش کا واقعہ سبھی کو پتہ ہے، جو محمد کے لے پالک یعنی زید بن حارث کی بیوی تھیں۔ جب محمد کی نظر زینب کے عریاں جسم کے پیچ و خم پر پڑی تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا، "تعریف اس اللہ کی جو دلوں کو بدل دیتا ہے۔" (طبری) جب آپ کے فرمانبردار منہ بولے بیٹے نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اللہ میاں قاضی بن کر وارد ہو گئے:

> اور چھپا رہے ہو تم اپنے دل میں وہ بات جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا ہے اور ڈر رہے ہو تم انسانوں سے، حالاں کہ اللہ زیادہ حق دار ہے اس کا کہ ڈرو تم آپس سے اور جب پوری کر لی زید نے اس (زینب بنت جحش) سے اپنی حاجت تو نکاح کر دیا ہم نے تمہارا اس سے، تا کہ نہ رہے مومنوں پر تنگی اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں، جب وہ پوری کر چکے ہوں ان سے اپنی حاجت اور ہے اللہ کا حکم پورا ہونے والا، نہیں ہے نبی پر کچھ مضائقہ کسی ایسے معاملے میں جو فرض کر دیا ہو اللہ نے اس کے لیے۔ اور یہی سنت ہے اللہ کی ان (انبیاء) کے بارے میں جو گذر چکے ہیں پہلے اور ہے اللہ کا حکم قطعی طے شدہ فیصلہ۔ (سورہ احزاب:36-37)

واضح رہے کہ زینب بنت جحش کا محمد سے باقاعدہ نکاح نہیں ہوا تھا اور وہ اکثر اس بات کا اظہار بڑے فخر کے ساتھ کیا کرتیں کہ ان کا نکاح کسی انسان نے نہیں پڑھوایا بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور کے نکاح میں دیا۔ (سنن نسائی، جلد دوم، کتاب النکاح، حدیث نمبر 3257)

خیر اس واقعے کے بعد جس کا اندیشہ تھا، وہی ہوا۔ قدیم زمانے سے روایت چلی آ رہی تھی کہ گود لیا ہوا بیٹا بالکل اپنے بیٹے کی مانند ہوتا تھا اور کوئی اس کی بیوی یعنی اپنی بہو سے شادی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے کمزور عقیدہ والے مسلمانوں اور منافقین نے آپ پر بہت لعن طعن کی، جس کے

جواب میں محمد نے خود پر یہ آیت نازل کرلی:

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا (سورہ احزاب:40)

نہیں ہیں محمد باپ کسی کے تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ رسول اللہ ہیں اور سلسلہ نبوت کی تکمیل کرنے والے ہیں اور ہے اللہ ہر چیز سے باخبر۔

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَٰهِكُمْ ۖ وَٱللَّهُ يَقُولُ ٱلْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى ٱلسَّبِيلَ

اور نہیں قرار دیا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا، اور یہ باتیں محض قول ہے تمہارا جو تم اپنے منہ سے نکالتے ہو، جب کہ اللہ فرماتا ہے سچی بات اور وہی ہدایت دیتا ہے سیدھے راستہ کی۔(سورہ احزاب:4)

اس آیت کے نزول سے مخالفین اور معترضین کے منہ بند ہوگئے اور اہل قریش کی پرائے بچوں کو گود لینے کی رسم کے خاتمے کے ساتھ ہی زید کو زید بن محمد کی بجائے ان کے اصلی باپ کی مناسبت سے زید بن حارث پکارا جانے لگا۔ غلام رسول صاحب نے اس واقعہ پر اچھا خاصا تفصیلی نوٹ لکھا ہے جس سے اس پر چڑھایا گیا رنگ و روغن اتر جاتا ہے اور اندر سے محمد کی خواہش نفسانی کی وہ سیاہی ابھر آتی ہے جس پر زنگار کا پھاہا(وحیٔ الٰہی) لگا کر اسے چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔

ایسے اور بھی کئی واقعات ہیں جن میں محمد نے اپنی خواہش نفسانی کو پوری کرنے لیے وحی کا سہارا لیا اور یہ محض خالی خولی دعویٰ نہیں ہے بلکہ اس کی تصدیق درج ذیل حدیث ہے:

عائشہ سے روایت ہے، "پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی 'ترجی من تشاء منھن وتووی الیک من تشاء و من ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک"[ان میں سے جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا تھا، اس میں سے کسی کو پھر طلب کرلیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔] تو میں نے کہا کہ میں تو سمجھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی مراد بہت جلدی پوری کردینا چاہتا ہے۔ (صحیح بخاری:4788)

عائشہ کے آخری جملے میں غضب کی معصومیت بھی ہے اور طنز ملیح بھی۔ یہ جملہ کسی ایرے غیرے کی جانب سے نہیں بلکہ محمد کی محبوب ترین زوجہ عائشہ کا ہے کہ وہ کمسنی کے باوجود اس بات کو محسوس کر رہی تھیں کہ محمد کس طرح اپنی خواہش نفسانی کو پوری کرنے کے لیے وحیٔ الٰہی کا سہارا لیا کرتے تھے۔ ایسی کئی اور حدیثیں وابستہ ہیں جن سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محمد اپنی کارکردگی کو سند دینے کے لیے عائشہ کو کس طرح اپنا مہرہ بنایا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا اے ام سلیم (حضور کی ایک زوجہ مطہرہ) تم مجھ کو عائشہ کے سلسلہ میں تکلیف نہ دو (اس کی شکایتیں نہ کرو)۔ خدا کی قسم مجھ پر کبھی وحی نازل نہیں ہوتی مگر جب تک کہ میں عائشہ کی چادر یا لحاف میں ہوتا ہوں۔ (سنن نسائی، جلد دوم، کتاب النکاح، حدیث نمبر 3404)

حضرت عائشہ کے بارے میں ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، "عائشہ کے بارے میں مجھے اذیت نہ دو، کیوں کہ کسی دوسری بیوی کے بستر پر مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی سوائے عائشہ کے۔ (صحیح بخاری:2581؛ صحیح مسلم:2441)

یہاں کسی بھی شخص کے دماغ میں یہ سوال اٹھنا فطری ہے کہ آخر عائشہ کے بستر یا لحاف میں ہی وحی کیوں نازل ہوا کرتی تھی بقیہ بیویوں کے بستر پر کیوں نہیں؟ لیکن افسوس اس معمولی سے سوال پر آج تک میں نے کسی محقق یا غیر جانب دار علما کو غور و فکر کرتے ہوئے نہیں پایا۔ اس کا جواب بہت ہی آسان ہے جسے سمجھنے کے لیے راکٹ سائنس کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ محمد کی دوسری بیویوں کے مقابلے میں عائشہ کی عمر کافی کم تھی۔ وہ اس عمر میں تھیں جہاں بچوں کو بآسانی بیوقوف بنایا جا سکتا ہے۔ بھوت، پریت، فرشتہ، جن، شیطان، پری، دیو، سانتا کلاز اور قصے کہانیوں کے کرداروں پر یقین کر لینا بچوں کی سرشت کا حصہ ہوتی ہے۔ محمد اسی معصوم بچپن سے کھیل رہے تھے۔ عائشہ کے سامنے وحی گڑھنا اور جبرئیل کی آمد آسان تھی، جو کہ دوسری بیویوں کے سامنے محال تھی، کیوں کہ وہ معصوم نہیں تھیں، انہیں شک ہو سکتا تھا، ان کے ذہن میں سوال اٹھ سکتے تھے۔ لہٰذا، محمد نے اپنے دوست کی نوخیز بچی عائشہ کا نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی اور نفسیاتی استحصال بھی کیا۔ ملاحظہ ہو:

امام احمد نے روایت کی ہے، سیدہ عائشہ فرماتی ہیں؛"ایک مرتبہ میں نے آپ ﷺ

کو گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے ایک شخص سے باتیں کرتے دیکھا۔ میں نے عرض کیا؛ اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو دحیہ کلبی کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے، ان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا؛ کیا تم نے انہیں دیکھا؟ سیدہ نے عرض کیا؛ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا؛ وہ دحیہ کلبی نہیں بلکہ جبرئیل علیہ السلام تھے اور وہ تمہیں سلام کہتے تھے۔ یہ سن کر سیدہ عائشہ نے فرمایا؛ وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ، اللہ تعالیٰ انہیں اچھی جزادے۔ میزبان بھی بہترین اور مہمان بھی بہترین۔" (مسند احمد: 6/84؛ ابن ابی شیبہ: 12/130)

عائشہ سے روایت ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا؛ اے عائشہ! جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں، تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ عائشہ نے جواب میں کہا؛ وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ وہ چیزیں دیکھتے ہیں جنہیں میں نہیں دیکھ سکتی۔ عائشہ کی مراد نبی کریم سے تھی۔" (صحیح بخاری، باب ذکر الملائکہ، 3217)

محولہ بالا دونوں حدیثیں بتارہی ہیں کہ معصوم عائشہ کے بستر پر سب سے زیادہ وحی کیوں نازل ہوا کرتی تھی اور محمد کس طرح اس بچی کے کم سن ذہن کا فائدہ اٹھاتے تھے۔

قرآن میں محمد نے صرف خانگی معاملات اور اپنی خواہشات نفسانی پر ہی وحی نہیں گڑھی بلکہ مال غنیمت، جہاد اور دوسرے امور پر بھی حسب منشا وحیٔ الٰہی کی مہر تصدیق ثبت کی۔ میں یہاں طوالت کے خوف سے صرف دو مثالوں پر اکتفا کروں گا۔

(1) عبداللہ بن ام مکتوم پیغمبر اسلام کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نابینا تھے۔ ایک بار جب محمد وحیٔ الٰہی کا ٹریڈ مارک لگا کر ایک جہادی آیت خود پر نازل کررہے تھے (سورہ النسا، 95) جس میں مومنین کو یہ ترغیب دی جارہی تھی کہ وہ اہل ایمان جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر نہیں ہیں۔ عبداللہ بن ام مکتوم کو یہ سن کر شرمندگی کا احساس ہوا اور ان کے جذبۂ ایمانی پر ضرب لگی، چنانچہ انہوں نے جب اپنی بینائی کا عذر کیا تو محمد کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اس نونازل شدہ آیت میں "سوائے معذوروں (نابینا، پاگل، لنگڑے، لولے وغیرہ) کے" کا اضافہ کرکے تبدیل کردیا۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی کئی احادیث اس واقعہ کی تصدیق کرتی ہیں، لیکن ہم یہاں ان میں سے صرف ایک پیش کررہے ہیں:

ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، ان سے اسرائیل نے بیان کیا، ان سے ابو اسحاق نے بیان کیا اور ان سے براء بن عازبؓ نے بیان کیا کہ جب آیت لا يستوي القاعدون من المؤمنين" نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فلاں (یعنی زید بن ثابتؓ) کو بلاؤ۔ وہ اپنے ساتھ دوات اور تختی یا شانہ کی ہڈی لے کر حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا لکھو "لا يستوي القاعدون من المؤمنين والمجاهدون في سبيل الله"۔ ابن ام مکتومؓ نے جو نبی کریم ﷺ کے پیچھے موجود تھے، عرض کیا: یارسول اللہ! میں نابینا ہوں۔ چنانچہ وہیں اس طرح آیت نازل ہوئی "لا يستوي القاعدون من المؤمنين غير أولي الضرر والمجاهدون في سبيل الله"۔ (صحیح بخاری، 4594)

صحیح بخاری میں ہی یہ حدیث دو جگہ مزید آئی ہے جن کے نمبر بالترتیب 4592 اور 4593 ہیں۔ یہاں کوئی بھی باشعور شخص دیکھ سکتا ہے کہ ایک شخص کے ٹوکنے پر محمد نے چشم زدن میں "وہیں پر" متعلقہ آیت کو کیسے بدل کر رکھ دیا۔

(2) يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُحِلُّواْ شَعَٰٓئِرَ ٱللَّهِ وَلَا ٱلشَّهْرَ ٱلْحَرَامَ وَلَا ٱلْهَدْىَ وَلَا ٱلْقَلَٰٓئِدَ وَلَآ ءَآمِّينَ ٱلْبَيْتَ ٱلْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَٰنًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَٱصْطَادُواْ ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ أَن تَعْتَدُواْ ۘ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ

مومنو! خدا کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو عزت کے گھر (بیت اللہ) کو جارہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہوں اور جب احرام اتار دو تو شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا، تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔" (سورہ المائدہ: 2)

محولہ بالا آیت میں حرمت کے مہینوں میں جنگ وجدال سے ممانعت کا حکم ہے۔ اسلام سے

قبل ہی چار مہینوں کو "حرام" یعنی حرمت والے مہینے قرار دیا گیا تھا جسے اسلام نے جوں کا توں بر قرار رکھا۔ ان چار مہینوں میں سے تین مہینے تو تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے آتے ہیں، یعنی ذو القعدۃ، ذو الحجۃ اور محرم الحرام، ان تین ماہ کے علاوہ رجب بھی ان حرمت والے مہینوں میں شامل ہے۔ عربی میں ان چار مہینوں کو "اشہر حرم" کہتے ہیں۔

اب اگر یہ بات ذہن نشین ہو گئی ہے تو آیئے ہم سیرت ابن ہشام سے ایک واقعہ کا یہاں ذکر کرتے ہیں جسے "سریہ عبد اللہ بن جحش" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ واقعہ ہجرت کے 16 ماہ بعد اور غزوۂ بدر سے ڈیڑھ ماہ قبل کا ہے۔ ایاز نظامی صاحب نے اس پورے واقعے کا اپنے مضمون "قرآن میں انسانی تصرف کی نشان دہی" میں باریک بینی سے تجزیہ کیا ہے، جسے میں یہاں مجملاً بیان کر دیتا ہوں۔

محمد نے رجب کے مہینے میں عبد اللہ بن جحش بن رماب اسدی کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ روانہ فرمایا اور ایک کاغذ لکھ کر ان کو عنایت کیا اور فرمایا کہ دو منزل راہ طے کر کے اس کاغذ کو دیکھنا۔ راوی کہتا ہے کہ جب عبد اللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دو دن کا سفر طے کر چکے تو انہوں نے محمد کا کاغذ کھول کر دیکھا جس میں لکھا تھا کہ جب تم میرا یہ کاغذ دیکھو تو سیدھے مقام نخلہ میں جو طائف اور مکہ کے درمیان ہے، جا پہنچنا اور وہاں قریش کے قافلے کا انتظار کرنا اور ہم کو اس کی خبر دینا۔ قصہ مختصر، عبد اللہ بن جحش اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقام نخلہ پہنچ گئے، وہاں قریش کے سوداگروں کا قافلہ ان کے پاس سے گذرا جس میں کشمش اور چمڑا وغیرہ جیسے مال تجارت کثرت سے تھے اور عمرو بن حضرمی بھی قافلے میں تھا۔

ابن اسحاق لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ آج رجب کا آخری دن ہے، اگر تم ان سے لڑتے ہو اور ان کو قتل کرتے ہو تو یہ مہینہ اس کے لیے حرام ہے اور اگر آج انتظار کرتے ہو تو راتوں رات یہ حرم میں داخل ہو کر پھر تمہارے ہاتھ نہ آئیں گے۔ آخر انہوں نے اپنے دل مضبوط کیے اور ان سب کا جنگ پر ہی اتفاق ہوا۔ واقد بن عبد اللہ تمیمی نے ایک تیر ابن حضرمی کو ایسا مارا کہ وہ اسی جگہ جہنم رسید ہو گیا۔ عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کیسان کو مسلمانوں نے قید کر لیا، نوفل بن عبد اللہ بھاگ گیا۔ عبد اللہ بن جحش ان دونوں قیدیوں اور مال غنیمت کو لے کر مدینہ میں محمد کے پاس حاضر ہوئے۔ روایت ہے کہ عبد اللہ بن جحش نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ یہ جس قدر مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگا ہے، اس میں سے پانچواں حصہ ہم رسول اللہ کی نذر کریں گے۔ واضح رہے

کہ یہ واقعہ خمس کے فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔ گویا خمس والی آیت کا محرک بھی انسانی دماغ ہے نہ کہ اللہ کا کوئی حکم:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورہ الانفال 41)

ابن ہشام کہتا ہے کہ جب عبداللہ بن جحش مدینہ میں آئے تو محمد نے ان سے فرمایا، "میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم حرام مہینہ میں جنگ کرو۔" یہی نہیں بلکہ انہوں نے خمس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ عبداللہ اور ان کے ساتھی بہت رنجیدہ تھے اور خیال کرتے تھے ہم ہلاک ہو گئے۔ مسلمان بھی ان کی اس حرکت کو برا کہتے تھے اور قریش یہ کہتے تھے کہ محمد نے حرام مہینہ کو بھی حلال کر لیا، اس میں خون بہایا، مال لوٹا اور لوگوں کو قیدی بنایا۔ جب لوگوں نے اس واقعہ میں بہت قیل و قال کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سورہ بقرہ: 217)

"لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ ان میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (میں جانے) سے (روکنا)۔ اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا، خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے۔ اور فتنہ انگیزی، خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

جب یہ آیت نازل ہوئی تب مسلمانوں کی بے چینی اور تردد رفع ہوا اور محمد نے خمس بھی قبول

فرمایا اور قیدیوں کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔ ادھر عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کو بھی آیت کے نازل ہونے سے اطمینان نصیب ہوا۔ انہوں نے محمد سے دریافت کیا کہ "یارسول اللہ! اس غزوے کا ہم کو ثواب بھی ملے گا یا نہیں جو مجاہدین کو ملتا ہے؟" ایک بار پھر محمد نے جبرئیل کو آواز دی اور وہ پلک جھپکتے اللہ کا کلام لے کر حاضر ہو گیا:

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَاجَرُوا۟ وَجَٰهَدُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أُو۟لَٰٓئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ ٱللَّهِ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (سورہ البقرہ:218)

"جو لوگ ایمان لائے اور خدا کیلئے وطن چھوڑ گئے اور جنگ کرتے رہے، وہی خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور خدا بخشنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے۔"

ایاز نظامی نے اپنے مضمون میں اس کا تنقیدی تجزیہ پیش کرتے ہوئے کچھ اہم سوال اٹھائے ہیں، جن کا جواب اب تک "خیمہ ٔدوستاں" کی جانب سے نہیں آیا ہے:

1. کیا ایسا ممکن ہے کہ اللہ نے ایک حکم جاری کیا ہو، مسلمانوں کو کسی کام سے سختی سے منع کیا ہو، پھر مسلمان ہی اس حکم خداوندی کو پامال کریں، اس کی خلاف ورزی کریں اور اللہ تعالیٰ بجائے ان مسلمانوں کی سرزنش کرنے کے اپنی حکم عدولی کو وحی کے ذریعے "سند جواز" عطا فرمائے بلکہ انعام کے طور پر لوٹ مار اور رہزنی کے مال کو مسلمانوں کے لیے حلال قرار دے دے، حتیٰ کہ اپنے رسول کے لیے بھی اس میں سے تاحیات ایک حصہ مقرر کر دے؟
2. حرمت کے مہینوں میں جنگ کی واضح ممانعت کے باوجود محمد نے رجب کے مہینے میں ہی ایک مسلح دستے کو قریش کے تجارتی قافلے کی جاسوسی کے لیے کیوں روانہ فرمایا؟
3. روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش کے تجارتی قافلوں کی خبر محمد کو جبرائیل عالم بالا سے تشریف لا کر دیا کرتے تھے، یہاں بھی یہی فرض کر لیتے ہیں کہ اس قافلے کی خبر بھی محمد کو جبرئیل نے عالم بالا سے تشریف لا کر ہی دی تھی۔ تو کیا اس ساری صورت حال سے اللہ تعالیٰ بے خبر تھا؟ کیا اللہ کو پہلے ہی سے معلوم نہیں تھا کہ یہ مسلح دستہ رجب کے حرمت والے مہینے میں ہی قریش کے تجارتی قافلے کا سامنا کرے گا اور یہ حکم الٰہی پر مال غنیمت کی چاہت کو ترجیح دیتے ہوئے اس پر حملہ کر بیٹھے گا جو مسلمانوں کی جگ ہنسائی کا سبب بنے گا؟

4. واقعہ میں مذکور ہے کہ جب عبد اللہ بن جحش نے واپس آکر جب اپنی کارگذاری کی محمد کو اطلاع دی تو محمد نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور مال غنیت تک لینے سے انکار کر دیا۔ وہ محمد جو اللہ کی محبوب ترین ہستی ہے، جن کے لیے اللہ نے ساری کائنات کو تخلیق کیا، ان کی ناگواری کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ خود اپنی حکم عدولی اور اپنے محبوب کی ناگواری کا سبب بننے والے ان صحابہ کو تا قیامت نشانۂ عبرت بنا دیتا اور انہیں کڑی سے کڑی سزا دیتا جو محمد کو ایذا پہنچانے کا باعث بنے، لیکن صد حیف کہ یہاں اس کے برعکس اللہ اپنی محبوب ترین ہستی کی بجائے ان نافرمان اور اپنے پیغمبر کی ناراضگی کا سبب بننے والے صحابہ کی طرفداری کرتے ہوئے ان کے اس فعل کو سند جواز بذریعہ وحیٔ الٰہی عطا فرما رہا ہے۔
5. اللہ (یا محمد؟) نے اپنی محولہ بالا آیت میں فتنہ کو قتل کر دینے کی نسبت بڑی برائی قرار دیا ہے۔ مفسرین کے نزدیک فتنہ سے مراد اہل مکہ کی سازشیں ہیں جو وہ مسلمانوں کے خلاف گھڑا کرتے تھے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ محض کسی پر سازش کا الزام لگا کیسے اس کے خلاف عسکری کاروائی کی جا سکتی ہے؟ پھر یہ بھی کہ وہ کاروائی سازش کے مرکز پر نہیں بلکہ ایک تجارتی قافلے پر حملہ کر کے اور اس تجارتی شاہراہ کا امن و امان پامال کر کے کیوں کی جا رہی ہے؟ واضح رہے کہ قرآن کے سورہ قریش میں اس تجارتی شاہراہ کا پر امن اور بے خطر ہونا قریش پر بطور نعمت خداوندی ذکر کرتا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ اسی شاہراہ کو اللہ اپنے بندوں کے ہاتھوں ہی پُر خطر بھی بنا ڈالتا ہے؟
6. قرآن کی جس آیت میں مسلمانوں کو حرمت کے مہینوں میں جنگ سے منع کیا گیا تھا، اسی آیت میں مسلمانوں کو یہ بھی تلقین کی گئی تھی کہ قریش کے ساتھ تمہاری دشمنی تمہاری جانب سے ان پر زیادتی کا باعث نہ بن جائے۔ لیکن اس زیادتی میں مسلمان اہل قریش پر سبقت لے گئے۔ اگر اس واقعہ سے قبل قریش کی جانب سے کوئی زیادتی اہل مدینہ پر ہوئی ہوتی تو مسلمان اسے "جوابی کاروائی" کہنے کو حق بجانب ہوتے لیکن افسوس قریش کے تجارتی قافلے کو نشانہ بنانے والے مسلمانوں نے قرآن کے حکم کی صریح خلاف ورزی کرنے کا اعزاز بھی خود ہی حاصل کر لیا۔ اور دلچسپ بات یہ کہ اللہ نے بجائے اس کی مذمت کرنے کے ان کی پیٹھ تھتھپا ڈالی، کیوں کہ ابن ہشام کی گواہی کے مطابق "یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمانوں کے ہاتھ آئی (الخ)۔"

الختصر قرآن الہامی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ محض محمد کا "ہمزاد" (Alter Ego) ہے۔ در حقیقت محمد، جبرئیل اور اللہ ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ لیکن جیسا کہ بار بار ذکر کیا جاتا رہا ہے کہ قرآن میں مندرج کچھ خاص موضوعات کو ہی ہم محمد سے منسوب کر سکتے ہیں جن پر انہوں نے مشق سخن آزمایا، مثلاً جہاد کے احکام، مال غنیمت کی تقسیم کی ہدایات، حقوق وراثت کی تفصیل، محمد کے اپنے ذاتی افعال، ان کے خانگی واقعات وغیرہ کو آپ کی تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے لیکن قرآن کی وہ سورتیں جن کا براہ راست محمد سے اور تاریخ اسلام سے براہ راست کوئی واسطہ نہیں ہے جیسے بنی اسرائیل کے قصص و حکایات، عیسائیوں کی اپنی دینی روایات، اہل کتاب کے عقائد و فرائض اور وہ تمام سورتیں بھی جن میں حمد و مناجات، پند و نصائح، دوزخ و بہشت، عذاب و ثواب، مبدا و معاد کا بیان ہوا ہے؛ وہ اسلام کی ملکیت صرف اس طور سے قرار دی جا سکتی ہیں کہ محمد نے انہیں من و عن قبول کر کے قرآن میں شامل کر لیا اور وہ جزو اسلام بن گئیں ورنہ ان کا اصلی ماخذ و منبع وہی ہے جو زیر نظر سیریز میں تفصیل و دلیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

ضمیمہ

زیر نظر تحقیقی مقالہ قسطوں میں فیس بک پر "پاکستانی فری تھنکرز" گروپ میں شائع ہوا۔ ابھی اس کی تیسری قسط ہی پوسٹ ہو پائی تھی کہ حسب توقع لعن طعن اور رد تحریر کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اگرچہ میں اس قسم کے رد عمل کا کچھ زیادہ اثر نہیں لیتا لیکن اس غول میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جنہیں ہم قدرے پڑھا لکھا تسلیم کر سکتے ہیں۔ قاری محمد حنیف ڈار (خطیب مسجد، ابو ظہبی) کے ارادت مندوں میں ان فیس بکی مسلمانوں کی تعداد خاصی ہے جو ملحدوں کے سوالوں کا جواب تو دینا چاہتے ہیں لیکن اپنی بے بضاعتی کے سبب وہ اب تک ایسا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ لہٰذا قاری موصوف اکثر ایسے برے وقتوں میں ان بے بس مسلمانوں کی مشکل کشائی کرتے نظر آتے ہیں لیکن اس احتیاط اور دور اندیشی کے تحت کہ میدان جنگ ان ہی کی ٹائم لائن ہو تاکہ ان کے منتخب کردہ تماشائیوں کی جانب سے ان پر متواتر داد و تحسین کے ڈونگرے برستے رہیں اور اگر کوئی شامت کا مارا گھس پیٹھیا اندر گھس آیا تو قاری موصوف اسے فوراً بلاک کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات وہ مخالفین کی غیر متوقع یلغار کو دیکھتے ہوئے اپنی پوسٹ کو ڈیلیٹ کرنے کی فیاضی بھی دکھا دیتے ہیں۔ خیر، اس سیریز پر انہوں نے پے در پے دو پوسٹ لگائی جن میں سے ایک کو انہوں نے اس وقت ڈیلیٹ کر دیا جب سوال کرنے والوں کا شور ان کے مداحوں کے سبحان اللہ اور جزاک اللہ پر حاوی ہو گیا۔ دوسری پوسٹ قدرے سنبھل کر لگائی گئی جس پر جب ایک خاتون نے ان سے سوالات کرنے شروع کیے تو بجائے جواب دینے کے انہوں نے وعدہ کر لیا کہ جلد ہی وہ اس متعلق تفصیلی پوسٹ لگائیں گے۔ اب مجھے اس کا پتہ نہیں کہ انہوں نے کون سی ہجری میں جواب دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ بہر حال، احباب کی فرمائش پر میں نے زیر تکمیل سیریز کے درمیان ہی معترضین کا جواب پوسٹ کر دیا تھا، جو یہاں حاضر خدمت ہے۔ اس ضمیمے میں بھی موضوع کے تعلق سے کئی اہم باتیں موجود ہیں جو اس بحث کے کچھ تاریک گوشوں کو منور کرتی ہیں۔

”تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے“

مجھے خوشی ہے کہ اس سیریز کو قارئین نے شرف قبولیت بخشا۔ کسی تحریر کو رد کرنا یا اس سے اختلاف رائے رکھنا ”احسن تقویم“ ہے لیکن یہ بیک وقت کافی ذمہ داری کا کام بھی ہے۔ وہ مشہور محاورہ تو آپ نے سنا ہی ہو گا ”ٹوٹکوں سے کاجیں نہیں ٹلتی ہیں“۔ جن کرم فرماؤں نے اس سیریز پر طبع آزمائی کی ہے، مجھے ان سے پوری ہمدردی ہے کہ وہ تنقید، تنقیص اور تنقیہ کے درمیان کے فرق تک سے ناآشنا ہیں، محض اختلاف برائے اختلاف کے فن پر ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے لئے یہی کافی ہے کہ انہوں نے رد تحریر کر دیا اور انگلی کٹوا کر اپنا نام شہداکی فہرست میں درج کرا لیا، خواہ انہیں ”کفنی“ بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔

اگرچہ کسی بھی رد تحریر (یا ردی تحریر) میں ایسا ایک بھی نکتہ اب تک سامنے نہیں آیا پایا ہے جس سے گذشتہ پانچ قسطوں کے ایک جملے کا بھی ردّ انجام پایا ہو، لیکن برائے تفنن طبع ان میں سے کچھ ایسے اعتراضات کو ہم مجملاً یہاں بیان کر دیتے ہیں جن کی تکرار ہمیں ہر تحریر میں نظر آئی، مثلاً:

(ا) پہلی قسط سے لے کر پانچویں قسط تک معترضین کا مجموعی طور پر یہ کہنا ہے کہ امراؤ القیس کی شاعری ہو یا اہل عرب میں پھیلے ہوئے افسانے ہوں، شاہان فارس کے قصے ہوں یا یہودیوں کی تفسیریں اور حدیثوں سے اڑایا گیا مال ہو؛ اگر واقعی قرآن میں شامل کیا گیا ہے تو پھر اس وقت کے لوگوں نے شور کیوں نہ مچایا اور قرآن پر غصب کرنے کا الزام کیوں نہ لگایا؟ اگر یہ اعتراض کسی معصوم معترض کی جانب سے وارد ہوتا تو شاید میں اسے اس کی بے خبری پر معاف بھی کر دیتا لیکن ثقہ علمائے دین کی بے خبری اور قرآن سے لاتعلقی کا یہ حال دیکھ کر مجھے یقین ہو چلا ہے کہ اسلام اپنی آخری سانسیں گن رہا ہے۔ اگرچہ کتب سیرت اور احادیث میں بھی اس اعتراض کا جواب موجود ہے لیکن میں یہاں اس اعتراض کی تابوت پر آخری کیل ٹھونکنے کے لیے قرآن کو اپنا گواہ بنا کر کٹہرے میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ان تمام آیات کو پڑھیں جن کے مخاطب وہی شور

مچانے والے ہیں:

”کیا کافر کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کررہے ہیں۔“ (الطور:30)

”بلکہ کہنے لگے کہ (یہ قرآن) پریشان خواب ہیں۔ بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنالیاہے بلکہ شاعر (کا نتیجہ طبع) ہے۔......“ (الانبیا:5)

”اور ہم نے ان (پیغمبر) کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کو شایاں ہے۔ یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے۔“(یٰسین:69)

”اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔“(الصافات:36)

”اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو۔“(الحاقہ:41)

”اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو محض جھوٹ ہے جسے اس نے بنالیاہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے، پس وہ بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ پہلوں کی کہانیاں ہیں کہ جنہیں اس نے لکھ رکھا ہے، پس وہی اس پر صبح وشام پڑھی جاتی ہیں۔ کہہ دو کہ اسے تو اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں جانتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔“(الفرقان:3-6)

”جب پڑھی جائیں ان لوگوں پر ہماری آیتیں، بولے ہم سن چکے ہیں جو ہم چاہیں اس کی مانند کہہ ڈالیں یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی نقلیں ہیں۔“(انفال)

”اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے

سمجھے خدا کے رستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزا کرے۔ یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔"(لقمان:6)

"اور اگر تم کو اس (کتاب) میں، جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر نازل فرمائی ہے، کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورۃ تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔"(سورہ بقرہ: 23)

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے، کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورۃ بنا لاؤ اور خدا کے سوا جن کو تم بلا سکو بلا بھی لو۔" (یونس: 38)

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن از خود بنا لیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی دس سورتیں بنا لاؤ اور خدا کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو، بلا بھی لو۔" (ہود: 13)

"اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں ہمیں عاجز کرنے کے لیے سعی کی، وہ اہل دوزخ ہیں۔" (سورہ الحج: 51)

"کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم خدا کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو تاکہ میں بھی اس کی پیروی کروں۔" (سورہ القصص: 49)

"اور جنہوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی کہ ہمیں ہرا دیں گے، ان کے لیے سخت درد دینے والے عذاب کی سزا ہے۔" (سورہ سبا: 5)

"اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ مجھ کو میرے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال (کا)، تم میرے اعمال کے جوابدہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جوابدہ نہیں

ہوں۔" (سورہ یونس: 41)

ابھی مزید آیات باقی ہیں جن کے مضمون سے واضح ہے کہ اہل مکہ میں بعض لوگ تھے جو ان کے متقدمین کے نوشتوں کے مضامین و عبارت سے واقف تھے اور جن کی نقلیں خدا سے منسوب کر کے محمد انہی کو سنایا کرتے تھے۔ جب انہوں نے شور مچایا تو ان کے جواب میں قرآن بار بار صفائیاں پیش کرتا رہا۔ اس کا لہجہ کبھی جھنجھلایا ہوا، کبھی غیظ و غضب میں مبتلا تو کبھی بے چارگی اور بے بسی کی گرفت میں نظر آتا ہے۔ اگرچہ کتب احادیث و سیرت کے حوالے اس تحریر کے متحمل نہیں ہیں لیکن کیا ہمارے خود ساختہ فیس بکی علماء واقعی اتنے معصوم ہیں کہ وہ نضر بن حارث، ابن قمطہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کے نام تک سے واقف نہیں؟ نضر بن حارث کا ذکر ہم پہلے ہی ابن ہشام کے حوالے سے کر چکے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ مجلس میں بیٹھے ہوئے اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے تھے اور قرآن سنا کر اہل قریش کو اس افتاد سے ڈرا رہے تھے جو گذشتہ امتوں پر پڑی۔ نضر بن حارث آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، یکایک اٹھ کھڑا ہوا اور ان لوگوں کو رستم و اسفند یار اور شاہان فارس کے قصے سنائے اور کہا کہ قسم خدا کی محمد مجھ سے بہتر قصہ سنانے والے نہیں ہیں۔ ان کے قصے کیا ہیں، سوائے اس کے کہ اگلے لوگوں کے نوشتے جو انہوں نے لکھ رکھے ہیں جیسا کہ میں نے لکھ رکھے ہیں۔

رہی بات ابن قمطہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کی تو ابن قمطہ ایک عیسائی غلام تھا جو مکہ کا باشندہ تھا۔ محمد نے غیر مستند انجیل (مثلاً The Gospel of Infancy اور The Gospel of Barnabas) اسی سے سیکھا تھا جس کی تصدیق قرآن کی سورۃ مریم کر دیتی ہے۔ اغلب ہے کہ یہ سورۃ اسی عیسائی غلام نے لکھی ہو یا اس کے علم سے استفادہ کر کے لکھی گئی ہو۔ معروف مورخ واقدی کی ایک تحریر بھی اس بات کی توثیق کرتی ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح (جو خلیفۂ سوم عثمان کا رضاعی بھائی تھا) اور ابن قمطہ نے قرآن کے ساتھ "کچھ" کیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی السرح قریش کے لوگوں کے سامنے انکشاف کرتا ہے، "وہ ایک عیسائی غلام ہے جو اسے (محمد کو) پڑھاتا ہے۔ میں نے بھی اسے لکھ کر دیا اور جہاں جہاں میں ترمیم کرنا چاہتا تھا، کر دیا۔" یہاں واضح رہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح مشہور کاتب وحی بھی تھے۔ طبری، قرطبی اور بیضاوی جیسی کتابوں کے مطابق ایک بار محمد جب عبداللہ بن ابی السرح کو کتابت کرا رہے تھے تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا، "تبارك الله احسن الخالقين"۔ محمد اس فقرے سے کافی متاثر ہوئے،

انہوں نے عبداللہ بن ابی السرح کو حکم دیا، "اکتبھا. ھکذا نزلت (اسے لکھ دو یہ ایسے ہی نازل ہوئی ہے۔)" چنانچہ آیت متعلقہ میں عبداللہ بن ابی السرح نے اس فقرے کا بھی اضافہ کر دیا۔ اس کھلم کھلا دھاندلی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عبداللہ بن ابی السرح کے دل میں شکوک کا جنم لینا فطری تھا، سو طبری، قرطبی اور بیضاوی کے مطابق اس نے دعویٰ کیا کہ، "اگر محمد پر وحی آتی ہے تو پھر مجھ پر بھی وحی آئی ہے اور اگر اللہ اسے نازل کرتا ہے تو میں نے اللہ جیسا کلام اتارا ہے۔" اتنا ہی نہیں بلکہ عبداللہ بن ابی السرح نے وحی کے اس جھوٹ کو مزید آزمانے کے لیے کچھ اور کھیل کھیلے۔ واقدی کی کتاب "المغازی"، ابن الاثیر کی "الکامل فی التاریخ" اور تفسیر طبری میں مرقوم ہے کہ جب محمد اسے "علیم حکیم" لکھنے کے لیے کہتے تو وہ اسے الٹ کر "حکیم علیم" کر دیتا اور پھر محمد کو پڑھ کر سناتا لیکن اس تبدیلی کا محمد کو ذرّہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا۔ الواقدی نے عبداللہ بن ابی السرح کا ایک تبصرہ نقل کیا ہے، "محمد کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور میں جو چاہتا اسے لکھ کر دے رہا تھا، یہ جو میں نے لکھا ہے، مجھ پر وحی ہوتی ہے جیسا کہ محمد پر وحی ہوتی ہے۔" طبری اپنی تفسیر میں اسی بات کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی السرح محمد کو اپنا لکھا ہوا پڑھ کر سناتا تھا تو محمد کہتے تھے کہ "نعم سواء" (ہاں ٹھیک ہے)۔ عبداللہ نے بالآخر اسلام کو خیر باد کر دیا اور مکہ بھاگ گیا۔

مکہ جا کر جب عبداللہ بن ابی السرح نے یہ پورا ماجرہ لوگوں کو سنایا تو لوگوں نے محمد کی چٹکیاں لینی شروع کر دیں۔ محمد کو جب اس کی اطلاع ملی تو پاؤں تلے زمین کھسک گئی، خیر ہمیشہ کی طرح ایک بار وحی کا ڈرامہ شروع ہوا اور آیت اتری:

> "اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے، حالاں کہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو۔ اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب اللہ نے نازل کی ہے، اس طرح کی میں بھی بنالیتا ہوں اور کاش تم ان ظالم یعنی مشرک لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔" (سورہ الانعام، 93)

المختصر، جو لوگ اپنی اس خوش فہمی کو قرآن کی صحت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ اہل

مکہ نے ان سرقوں اور خیانتوں پر شور نہیں مچایا، وہ یا تو قرآن، سیرت، تاریخ اور احادیث کے مطالعے کی سعادت سے ابھی تک محروم ہیں یا پھر وہ براہ راست قرآنی آیات کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہیں۔

(2) معترضین کا ایک گروہ تو وہ ہے جو گذشتہ قسطوں (چوتھی اور پانچویں قسط) کے نفس موضوع کو سمجھے بغیر ایک ہی رٹّا مارتا رہا ہے کہ قرآن میں سابقہ صحائف سماوی کی باتوں کا وارد ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں، کیوں کہ ان کا خدا ایک ہی ہے اس لیے ان قصوں کا شامل ہونا اس امر پر مہر صداقت ثبت کرتا ہے کہ قرآن بھی آسمانی کتاب ہے۔ کچھ مسلمان اس کی توجیہ میں اس آیت کو بھی پیش کرتے ہیں: "اور یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ یعنی اس نے تمہارے دل پر اس کا القا کیا ہے تا کہ لوگوں کو خبر دار کرتے رہو۔ اور القا بھی فصیح و بلیغ عربی زبان میں کیا ہے اور اس کی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔" (سورہ الشعرا: 192,196)

اس بار بھی ہمارے ڈھیٹ معترضین نے بغیر پڑھے، لکھنا شروع کر دیا، حالاں کہ پہلے ہی اس کی وضاحت ان لفظوں میں کر دی گئی تھی، "اب اس دعوے کی قلعی یوں کھل جاتی ہے کہ قرآن کو شاید خود ہی یہ پتہ نہیں کہ اس میں درج بیشتر قصے اور کہانیاں پہلے پیغمبروں کی کتابوں (توریت اور انجیل) میں نہیں بلکہ ان کتابوں کے مفسرین اور ان کے امتیوں کی جمع کردہ احادیث کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔" اب یا تو معترضین اردو زبان سے نابلد ہیں یا پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے متعلقہ قسطیں پڑھنے کی زحمت کیے بغیر صرف اپنی حاضری لگا دی اور کلاس روم سے غائب ہو گئے۔

ان معصوم معترضین سے دو اضافی سوال کرنے کا دل کر رہا ہے کہ آپ تصنیف اور تالیف کے فرق کو سمجھتے بھی ہیں؟ قرآن اللہ کی تصنیف (تخلیق) ہے یا تالیف (انتخاب)؟ اگر تصنیف ہے تو پھر مصنف اس کا بلا شرکت غیرے مالک ہونا چاہیے، اس کے محض یہ کہنے سے کہ " اور اس کی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے"، وہ اس اثاثے کا مالک نہیں ہو جاتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص سودا، میر، غالب، داغ، مومن، انشا وغیرہ جیسے کلاسیکی اردو شعرا کی تخلیقات کا ایک انتخاب کتابی صورت میں شائع کرے اور اس پر صرف چار پانچ صفحات کا پیش لفظ لکھ مارے جس میں ایک جملہ یہ بھی ہو کہ "اس سے پہلے دوسرے لوگوں نے بھی ایسا انتخاب پیش کیا ہے"، تو ہم اسے

"شاعر" کہیں گے، "مصنف" کہیں گے یا "مؤلف"؟

ان معصومین کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں سابقہ صحائف سماوی بطور خاص توریت اور انجیل کے قصے در آنا کوئی بڑی بات نہیں کیوں کہ یہ تمام کتابیں تو ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ لیکن میرے بھولے بادشاہو! ایک دوسرا دعویٰ بھی تو آپ لوگ کرتے ہیں کہ سابقہ کتابیں تحریف شدہ ہیں، چنانچہ بتانے کی زحمت کریں کہ آپ قرآن کا کس توریت اور انجیل سے موازنہ کر رہے ہیں؛ تحریف شدہ سے یا غیر تحریف شدہ سے؟ پھر یہ بھی بتا دیں کہ آپ کی نظر میں غیر تحریف شدہ انجیل کون سی ہے اور کہاں گوشہ نشین ہے؟

(3) معترضین کا دوسرا گروہ دو چار نابغۂ روزگار ماہرین پر مشتمل ہے، ان میں سے ایک غلام احمد پرویز کی ڈار سے بچھڑے، منہ پہ غامدی اور بغل میں ممتاز قادری کی عملی تفسیر قاری محمد حنیف ڈار صاحب ہیں۔ آپ نے لوگوں کو اطلاع دی ہے کہ انہیں راقم الحروف کی تحریر سے آگ لگی ہوئی ہے، پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسے اعتراضات پہلے بھی ہوتے رہے ہیں۔ بیانات کا یہ تضاد ان کی ذہنی صحت کو آشکار کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تک سید امجد حسین کی زندگی میں اس تحریر کا جواب نہیں دیا جائے گا، آئندہ نسلیں انہیں معاف نہیں کریں گی۔ قاری صاحب کے "حیات خضر" کے دعویٰ سے قطع نظر، وہ درج بالا جملے میں اس بات کو تسلیم بھی کر رہے ہیں کہ جو سوالات میں نے اور میرے پیش روؤں نے کھڑے کیے ہیں، ان کے جوابات اب تک نہیں دیے جا سکے ہیں۔

موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی ضروری نہیں کہ دو سو صفحات کے جواب میں دو سو صفحات لکھے جائیں۔ اسے اہل علم عذر لنگ کہتے ہیں۔ اس پوری سیریز میں حفظ ماتقدم کے تحت محترم نے صرف پہلی قسط اور وہ بھی صرف امراؤ القیس پر ہاتھ رکھا اور دعویٰ کر دیا کہ پوری سیریز کے چیتھڑے اڑا دیے۔ اکثر و بیشتر ایسی سہولتیں قاری صاحب اپنے لیے پہلے بھی پیدا کرتے رہے ہیں لیکن شاید اب سے پہلے انہیں یہ پتہ نہ ہو کہ بعض وقت تن آسانی جی کا جنجال بھی بن جایا کرتی ہے۔ مجھے اس وقت وہ گدھا یاد آ رہا ہے جس کا مالک روزانہ اس کی پیٹھ پر نمک لاد کر ندی پار کیا کرتا تھا۔ گدھا کام چور تھا لیکن بحالت مجبوری اسے یہ مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ ایک روز اس کا صبر جواب دے گیا اور وہ بیچ ندی میں بیٹھ گیا۔ مالک نے اسے اٹھانے کی کافی کوشش کی۔ چار و ناچار گدھے کو

اٹھنا پڑا، لیکن اسے ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوا، کیوں کہ پانی میں بیٹھنے کی وجہ سے نمک کافی گھل چکا تھا، نتیجتاً اس کی پیٹھ پر لادا ہوا بوجھ بھی کم ہو چکا تھا۔ بس پھر کیا تھا، اس دن کے بعد گدھا ہر روز ندی پار کرتے ہوئے پانی میں بیٹھ کر اپنا بوجھ کم کرنے لگا۔ مالک گدھے کی اس حرکت کو سمجھ رہا تھا اور بالآخر اس نے گدھے کو سبق سکھانے کی ٹھان لی۔ ایک روز جب حسب سابق گدھا اپنا بوجھ کم کرنے کے لیے پانی میں بیٹھنے کے بعد اٹھا تو اس کی ہڈیاں دوگنے بوجھ تلے چرمرا گئیں۔ گدھے کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی پیٹھ پر لادا ہوا بوجھ آج دوگنا کیسے ہو گیا، کیوں کہ اسے پتہ نہیں تھا کہ اس کے مالک نے اسے سبق سکھانے کیلئے اس بار اس کی پیٹھ پر نمک کی بجائے روئی لاد دی تھی۔

قاری صاحب سے بھی اس بار یہی غلطی ہوئی۔ وہ اپنی عادت کے مطابق اپنا بوجھ کم کرنے کے لیے پانی میں بیٹھ تو گئے لیکن انہیں اس کا علم نہیں تھا کہ اس بار ان کی پیٹھ پر نمک کی بجائے روئی کا گٹھر رکھا ہوا ہے۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ بعض اوقات سہولتیں پانے کی تمنا مصیبت کا باعث بن جایا کرتی ہیں۔ آپ نے پہلے تو امراؤ القیس کا ختنہ کرا کے اسے مشرف بہ اسلام کیا اور اس کے ساتھ "حضرت اور رضی اللہ عنہ" کا لاحقہ و سابقہ لگا دیا۔ پھر فرمایا کہ جو کافر امراؤ القیس تھا، وہ عیاش تھا، آوارہ تھا، شرابی تھا، فاسق اور بت پرست تھا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کافر امراؤ القیس کی عیاشی، آوارگی، بت پرستی سے اس کی شاعری کا کیا تعلق؟ اردو کے بیشتر بڑے شعرا بھی انہی اوصاف سے متصف تھے، مثلاً غالب کو ہی لے لیں، وہ بلا کا شراب نوش ہی نہیں، بلکہ جواری بھی تھا۔ حتیٰ کہ موصوف نقلی شراب اور نقلی نوٹ بنانے کے جرم میں حوالات کی سیر بھی کر چکے تھے۔ لیکن کیا اس سے غالب کے شعری مرتبہ پر کوئی فرق پڑا؟ مجھے ڈار سے بچھڑے بد ذوق قاری کے مقابلے میں پیغمبر اسلام کا وہ جملہ زیادہ منصفانہ محسوس ہوتا ہے جو انہوں نے امراؤ القیس کی شاعری کے بارے میں کہا تھا، "امراؤ القیس عرب کا سب سے بڑا شاعر اور دوزخ کا سردار ہے۔"

معاملہ صرف اتنا ہے کہ سوشل میڈیا نے جہاں علم و دانش کے تبادلے کی نئی راہیں کھول دی ہیں، وہیں بچولیوں اور خود ساختہ علما کی ایک نئی کھیپ بھی تیار کر دی ہے جس نے اپنے لیے فیس بک کے وال کو آستانوں کی شکل دے دی ہے۔ اب پیر نابالغ کی ہر عشوہ طرازی پر مریدین کا نعرۂ زن ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اگر دو ڈھائی سطروں میں عقیدت کا یہ طوفان امڈ آتا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ دو سو صفحات لکھنے میں سر کھپایا جائے؟ آخر ہر شخص غالب کی طرح ناعاقبت اندیش

تو ہو نہیں سکتا جو یہ کہے کہ "میں احمقوں کے لیے نہیں لکھتا۔" ظاہر ہے کہ قاری موصوف جیسے لوگ نہ ہوں تو احمق فاقہ کشی پر مجبور ہو جائیں۔

خیر، ڈار سے بچھڑے اُڈاریوں کے خوگر قاری صاحب نے امراؤ القیس ابن حجر الکندی کا متعلقہ کلام کسی گمنام اور ہم نام مسلم شاعر حضرت امراؤ القیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کھاتے میں ببانگ دہل ڈال دیا اور اس دعوے کی تصدیق کے لیے انہوں نے ان کا کوئی دیوان پیش کرنے کی بجائے الٹا مجھ سے کافر امراؤ القیس کا دیوان طلب کر ڈالا۔ جب آپ کی پوسٹ پر ایک عجیب نام والی مسلم لبرل خاتون نے صاحب "فیض القدیر" علامہ عبدالرؤف المناوی (1545-1621) کی کتاب کا اسکرین شاٹ لگایا جس میں امراؤ القیس کے اشعار مرقوم ہیں تو قاری صاحب نے اسے تاریخ کہہ کر رد کر دیا لیکن خود موصوف بلا حوالہ اپنے حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دفاع فرماتے رہے۔ پھر زیادہ اختلافی کمنٹس آئے تو پوسٹ ہی ڈیلیٹ کر دی کہ قاری صاحب پہلے بھی ایسا کرتے آئے ہیں۔ ایسی خطائیں ہمارے قاری صاحب معاف نہیں کرتے، یا تو وہ پوسٹ ہی ڈیلیٹ کر دیتے ہیں یا ایسی جرأت کرنے والے کو بلاک کر دیتے ہیں۔ البتہ وہ جہلا کی محفلوں میں خود کو زیادہ محفوظ تصور کرتے ہیں، حتیٰ کہ اگر کسی غیر محرم خاتون نے ان کی تعریف کی تو وہ لپک کر عید کا تحفہ دینے کے لیے ان سے ایڈریس بھی مانگ لیتے ہیں۔

قاری صاحب فرماتے ہیں: "اسلامی لٹریچر میں یہ اشعار سب سے پہلے ایک مصنف امام عبدالرؤف المناوی نے 1000 سال بعد دسویں ہجری میں اپنی کتاب (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر) میں زمانۂ جاہلیت کے شاعر امراؤ القیس کی طرف منسوب کیے مگر اس کے کسی دیوان کا حوالہ تک نہ دیا۔"

یہ معاملہ تو کافی سنگین تھا لیکن حیرت ہے کہ علامہ مناوی کی اس حرکت کے خلاف عالم اسلام میں کوئی شور نہیں مچا؟ 500 سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا لیکن کیا وجہ ہے کہ اب تک کسی نے علامہ مناوی یا ان کی متعلقہ کتاب کے خلاف نعرۂ احتجاج بلند کرنا تو درکنار، ایک لفظ بھی نہیں بولا؟ ظاہر ہے کہ ان پانچ سو برسوں میں ابو ظہبی کی مسجد کے ایک خطیب سے زیادہ غیرت مند اور زیادہ صاحب فہم و بصیرت لوگ گذر چکے ہیں لیکن کیا ان سب کی خاموشی اس بات کا اشاریہ نہیں ہے کہ وہ علامہ مناوی سے اتفاق رائے رکھتے تھے؟

قاری صاحب نے اپنے تئیں ہماری معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے جاہلیت کے امراؤ

القیس کی فہرست پیش کی ہے اور چار امراؤالقیس کو نشان زد کیا ہے لیکن یہ بتانا بھول گئے کہ المعلقات میں کون سے امراؤالقیس کا قصیدہ شامل تھا؟ اگر کسی زمانے میں ایک ہی نام کے کئی لوگ تھے تو وہ اس سے کیا ثابت کرنا چاہ رہے تھے، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ایسے تو میں بھی ان سے پوچھنے میں حق بجانب ہوں کہ کتنے محمد؟ محققین نے محمد کی پیدائش سے قبل تقریباً 16 محمد گنوائے ہیں (تفصیل کے لیے دیکھیں، "سیرت حلبیہ"، جلد اول نصف اول، ص 266)۔ کیا اس کا یہ مطلب نکالا جائے کہ جبرئیل غلط پتے پر خط چھوڑ آتے تھے؟

قاری صاحب کے درج بالا تمام دعوؤں سے قطع نظر ان کا ایک دعویٰ ایسا بھی ہے جسے اگر وہ ثابت کر دیں تو میرا مقدمہ ہی خارج ہو جائے گا۔ آپ جاہل امراؤالقیس کے متعلقہ اشعار کو اپنے حضرت امراؤالقیس رضی اللہ عنہ کی شاعری کے بیاض میں ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں؛ "یہ اشعار حضرت امراؤالقیس رضی اللہ عنہ کے ہیں مگر یہ امراؤالقیس مسلمان ہیں اور یہ اشعار اس وقت زمانۂ جاہلیہ کے شاعر کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جب مسلمانوں کا کلچر کتابی صورت اختیار کر رہا تھا۔"

چلئے، اس دعوے کے بعد بات ہی ختم ہو جاتی ہے اور بازی پلٹ کر قاری صاحب کے پاس چلی جائے گی، بشرطیکہ وہ اپنے ممدوح حضرت امراؤالقیس رضی اللہ عنہ کے دیوان میں وہ اشعار بتا دیں جو جاہل اور معتوب شاعر امراؤالقیس سے منسوب ہیں۔ ہمارے پاس تو جاہل امراؤالقیس کے حق میں کم از کم علامہ مناوی کا حوالہ موجود ہے لیکن میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس اپنے ممدوح حضرت قیس کے حق میں ایسا کون سا حوالہ موجود ہے جس کی بنا پر آپ ان سے متذکرہ اشعار منسوب کر رہے ہیں؟ اگرچہ قاری صاحب اکثر و بیشتر بغیر حوالے دعوے پہلے بھی پیش کرتے رہے ہیں، شاید وہ "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" پر زیادہ یقین رکھتے ہیں لیکن اس بار اگر انہوں نے اپنے دعوے کی تصدیق کے لیے حوالہ پیش نہیں کیا تو مجھے پورا یقین ہے کہ آئندہ نسلیں انہیں واقعی معاف نہیں کر پائیں گی۔

ڈار سے بچھڑے قاری صاحب اپنے دعوے کا حوالہ پیش کرنے کی بجائے نہایت ہی ڈھٹائی کے ساتھ مجھ سے اور علامہ مناوی سے جاہلیہ کے امراؤالقیس کے دیوان کا حوالہ مانگتے ہیں۔ ارے جناب! آپ نے تو انسانوں کو نہیں چھوڑا، دیوان اور قصیدے کیسے چھوڑ دیتے؟ ورقہ بن نوفل، ابن رشد، رازی، فارابی، الکندی، ابوالعلا المعری وغیرہ کی کتنی کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں؟ مسیلمہ بن حبیب کا وہ قرآن کہاں موجود ہے جس کے بارے میں آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ

آپ کے قرآن کے مقابلے میں جھوٹا تھا؟ اگر واقعی وہ جھوٹا تھا تو اسے ضائع کیوں کر دیا، رہنے دیا ہوتا تاکہ اہل نظر دونوں قرآن کا موازنہ کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتے۔ جب آپ کا قرآن ہی اکیلا رہ گیا تو جھوٹ اور سچ کا فیصلہ کیوں کر ممکن ہے؟ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ریس میں اکیلا دوڑنے والا خود کو اول انعام کا مستحق قرار دے دے۔

مزید برآں، آپ لوگوں کی علم دشمنی کی شاندار تاریخ سے کون واقف نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آج اسلام سے سو برس سے پہلے سات معلقات کے سوا ادب اور انشائے عرب کی کوئی تصنیف نہیں ملتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ عرب کا وہ قدیم و عالیشان تمدن جس کا آفتاب طلوع اسلام کے وقت نصف النہار تک پہنچ چکا تھا، اسے اور اس کے علمی اثاثے کو کس نے برباد کر دیا جس سے مقابلہ کرنے کے لیے قرآن نازل ہوا تھا؟ مسلمانوں کے لیے تو یہ موقع اچھا تھا کہ وہ اس علمی اثاثے کا قرآن سے مقابلے کر کے دکھاتے کہ دیکھو ہر اعتبار سے قرآن اول ہے لیکن انہوں نے تو ساری معتبر کتابیں گم کر ڈالیں یا برباد کر ڈالیں اور تالی بجانے لگے کہ قرآن سے عمدہ کوئی کتاب نہیں۔ ہمارے آس پاس آج بھی وہ قدیم ترین قومیں موجود ہیں جنہوں نے ہزاروں سال پہلے کے اپنے علمی اثاثے پر آنچ نہیں آنے دی، مثلاً یونان، روم اور ہندوستان کے سلف کا گراں مایہ کلام ہمارے ہاتھوں میں ہے لیکن اس کے برخلاف مسلمانوں نے پورے عرب کی تاریخ کو صرف پندرہ سو برسوں میں سمیٹ کر رکھ دی، چنانچہ اب اس تمدن کے تعلق سے ہماری ہر معلومات انہی کی مرہون منت ہو کر رہ گئی ہے۔

جاہلیہ کی کتابیں چھوڑیں، آپ نے تو اسلام کے زمانے کی کئی کتابوں کو گم کر ڈالا۔ آپ نے سارا کتب خانہ صحف قرآن کا جو خلیفہ عثمان کے عہد تک تیار ہو چکا تھا، آن کی آن میں خاکستر ہو جانے دیا۔ کسی غیرت مند مسلمان نے کسی ملک میں کوئی صحیفہ ٔقرآن بچا نہ رکھا، پھر بھی ہم سے یہ فرمائش کی جاتی ہے کہ ہم گمشدہ کتابوں کا پتہ بتائیں؟ گمشدہ کتابوں کو تلاش کرنے کا شوق ہے تو پھر عبد اللہ بن مسعود کا صحیفہ ٔقرآن، علی کا جمع کیا ہوا قرآن، ورقہ بن نوفل کی الکتاب العربی، لقمان کا صحیفہ ٔحکمت اور وہ مابین الدفتین جو خود محمد نے بطور ترکہ چھوڑا تھا، انہیں ڈھونڈیں اور ہمیں بھی مہیا کرائیں۔

اہل فارس میں علوم عقلیہ کا خاص رواج تھا اور اس معاملے میں ان کا دامن کافی وسیع تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ علوم فارس ہی سے یونان پہنچے تھے۔ لیکن تاریخ میں یہ شرمناک واقعہ بھی موجود ہے

کہ جب مسلمانوں نے فارس کا علاقہ فتح کیا اور یہاں بے شمار کتابیں پائیں تو سعد بن ابی وقاص سپہ سالار لشکر نے خلیفہ عمر کو ان کتابوں کے بارے میں خط لکھ کر پوچھا کہ کیا یہ کتابیں مسلمانوں کے لیے منتقل کرلی جائیں؟ عمر نے جواب میں لکھا کہ "انہیں سمندر میں غرق کردو۔ کیوں کہ اگر ان میں ہدایت ہے تو حق تعالیٰ نے ہمیں ان سب سے زیادہ ہدایت والی کتاب عطا فرمادی ہے اور اگر ان میں گمراہی ہے تو ہمیں اللہ کافی ہوگیا ہے۔" آخر کار یہ تمام کتابیں پانی میں ڈال دی گئیں اور ان کے ساتھ ساتھ اہل فارس کے علوم بھی ختم ہوگئے اور ہم تک نہ پہنچ سکے۔(تفصیل کے لیے دیکھیں، مقدمہ ابن خلدون، حصہ دوم، ص316)

پھر عرب اور فارس ہی کیوں، آپ کی علم دشمنی کا جغرافیہ تو کافی بڑا ہے۔ اسکندریہ کی لائبریری کی بربادی ہو یا فاطمین مصر کے دور میں قاہرہ کے قصر شاہی کا عدیم النظیر کتب خانہ جسے صلاح الدین ایوبی نے جلا کر خاکستر کردیا۔ 420ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے رے فتح کیا تو وہاں کے کتب خانوں کو جلادیا۔ اسلامی دنیا کے سب سے پہلے عمومی کتب خانہ میں جسے ابو نصر شاپور وزیر بہاالدولہ نے 381ہجری میں بغداد کے محلہ کرخ میں قائم کیا تھا، اس کتب خانے میں دس ہزار سے زائد ایسی کتب تھیں جو خود مصنفین یا مشہور خطاطوں کی لکھی ہوئی تھیں۔ اس کتب خانہ کو مورخین نے "دارالعلم" کے نام سے موسوم کیا تھا۔ یہ مایہ ناز کتب خانہ 451ہجری میں طغرل بیگ سلجوقی نے جلادیا۔ 586ہجری میں ملک المویدنے نیشاپور کے باقی ماندہ کتب خانوں کو جلا کر تباہ کردیا۔

کتاب اور علم دشمنی کی ایسی شان دار روایت شاید ہی کسی دوسری قوم میں ملے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے باوجود مسلمان ہم سے ایک ہزار سال پہلے کی وہ کتابیں طلب کرتے ہیں جو جاہلیہ سے منسوب ہیں۔ قاری صاحب کے امراؤالقیس تو ماشااللہ حضرت بھی ہیں اور رضی اللہ عنہ بھی ہیں، لہٰذا، مجھے پوری امید ہے کہ ان کا دیوان ضرور سلامت ہوگا۔ اب اگر موصوف اپنے ممدوح کا وہ دیوان بطور حوالہ پیش کردیں اور اس میں جاہل وکافر امراؤالقیس کے اشعار دکھادیں تو پھر کسی بھی جواب یا حجت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ مجھے امید ہے کہ قاری صاحب اس بار راہ فرار اختیار نہیں کریں گے ورنہ ان کی خاموشی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہوگی کہ موصوف نے ہمیشہ کی طرح کلو کے پٹاخے سے بلا ٹالنی چاہی تھی لیکن الٹے وہ بلا انہی کی گردن سے جا لپٹی۔

(4)اس کے بعد کوئی اہم اعتراض باقی نہیں رہتا۔ ایک دو لوگوں نے جو آئیں بائیں شائیں کی

ہیں، وہ اس لائق بھی نہیں کہ ان پر زیادہ وقت برباد کیا جائے۔ مثلاً ایک صاحب جو بزعم خود ماہر لسانیات ہیں، وہ مجھ پر الزام جڑتے ہیں کہ میں نے اپنی تحریر میں کلدانی لفظ "اُر" کے معنی "شہر" بتایا ہے جب کہ اس کے معنی آگ یا آتش کے ہیں۔ مجھ پر آج تک یہ اسرار نہیں کھل پایا کہ لوگ پڑھنے سے پہلے لکھنا کیسے شروع کر دیتے ہیں؟ اگر موصوف میری تحریر کو پڑھ لیتے تو انہیں علم ہو جاتا کہ میں نے بابلی لفظ "اور" کے معنی "شہر" کے بتائے ہیں، نہ کہ کلدانی لفظ "اُر" کے۔ دلچسپ بات یہ ہے میں نے کلدانی لفظ "اُر" کے معنی وہی بتائے ہیں جو موصوف اتنی لمبی چوڑی پوسٹ اور متعدد ڈکشنری کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں۔ موصوف سے اسی غلطی کا ارتکاب سرزد ہوا جو عبرانی مفسر سے بابلی زبان سے کلدانی زبان میں توریت کا ترجمہ کرتے ہوئے ہوا تھا۔ ویسے لسان العصر صاحب کو میں ایک مخلصانہ مشورہ بھی دینا چاہوں گا کہ اگر انہیں لسانیات سے اتنا ہی شغف ہے تو وہ میری فیس بک کی ٹائم لائن پر چلے جائیں، جہاں میرا ایک نوٹ "کیا قرآن خالص عربی میں ہے؟" ان کا منتظر ہے۔

ایک اور صاحب بھی ہیں جنہوں نے اس سیریز کی پہلی قسط کا رد لکھنے کا حوصلہ دکھایا ہے۔ آپ نے زید بن عمرو بن نفیل کے "دین حنیف" کا ذکر کرتے ہوئے پوری پوسٹ صرف "دین" پر لکھ ماری، اور "حنیف" کو تیل لینے کے لیے بھیج دیا؛ پھر تھوڑی دیر بعد یہ بھی اعلان کر دیا کہ امجد حسین کی پہلی قسط کی رد مکمل ہو گئی اور انہوں نے جابجا اس کا لنک پیسٹ کرنا شروع کر دیا۔

ایک بار سعادت حسن منٹو سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ ابن صفی کے جاسوسی ناول پڑھتے ہیں؟ منٹو نے جواب دیا کہ ہر روز مرغن غذائیں کھانے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کبھی کبھی ہاضمے کی ایسی کھٹی میٹھی گولیاں بھی کھا لی جائیں۔ میں بھی منٹو کے اس نسخے پر عمل کرتے ہوئے ہاضمے کی درستگی کے لیے ایسی تحریریں کبھی کبھار پڑھ لیتا ہوں۔

بہر حال، اس سیریز کی پانچ قسطیں مکمل ہو چکی ہیں، چھٹی قسط زیر تکمیل ہے۔ اب تک کوئی ایسا قابل ذکر اعتراض سامنے نہیں آپایا ہے جس کا جواب دیتے ہوئے مجھے بھی مزہ آئے۔ اکثر معترضین نے گلو خلاصی کے لیے کسی قسط کی ایک چیز پکڑی، بقیہ کو چھوڑ دی۔ کسی نے لسانیات کو بنیاد بنایا تو کوئی امراؤ القیس پر ہاتھ صاف کر کے مطمئن ہو گیا۔ اس سے کیا یہ مراد لی جائے کہ میرے بقیہ معروضات سے معترضین متفق ہیں؟ بہر حال مجھے ان اعتراضات کو پڑھ کر سخت مایوسی ہوئی، میں نے سوچا تھا کہ کوئی قابل شخص توپ نما چیز لا کر میرے پرخچے اڑا دے گا، بطور خاص

اس لیے کہ پروپیگنڈا میڈیا ان" فلموں" کے آنے سے قبل ہمیں اس کا" ٹریلر "بڑی پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ دکھا رہی تھی، لیکن بقول غالب ؏

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

مآخذ

- قرآن
- قرآن اردو ترجمہ: مولانا فتح محمد جالندھری مولانا احمد علی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
- تفسیر بیضاوی (اردو)
- تفسیر حسینی (اردو)
- تفسیر قرطبی (اردو)
- تفسیر ابن کثیر (اردو)
- صحیح بخاری
- صحیح مسلم
- سنن نسائی
- سنن ابن ماجہ
- سنن ابو داؤد
- مسند احمد
- سیرت ابن ہشام (اردو)
- طبقات ابن سعد (اردو)
- تاریخ طبری
- تاریخ الخلفاء
- کنز الایمان
- کتاب الاصنام: ہشام ابن الکلبی

- احیائے علوم دین (اردو)
- اسد الغابہ فی معرفت الصحابۃ۔۔۔اردو
- ینابیع القرآن: ڈبلیو گولڈ سیک
- عرب قبل از اسلام: غلام مسیح
- تاریخ محمدی: مولوی ڈاکٹر عماد الدین لاحظ
- قرآن اور اسرائیلیات: اینڈرسن شا: جرأت تحقیق
- قرآن میں انسانی تصرف کی نشاندہی: ایاز نظامی: جرأت تحقیق
- ام المومنین زینت بنت جحش اور نبی کریم کے عقد کا واقعہ مبارک: غلام رسول
- "A Dictionary of Islam", Hughes, Patrick Thomas
- "The Origins of the Koran", Ibn Warraq
- "The Original Sources of the Quran", W. St. Clair Tisdall
- "Who authored the Quran: an enquiry", Abul Kasem
- "The Spirit of Islam", Syed Ameer Ali
- "Al Quran", Edward Canon Sell
- "A Guide to Our Prayers", Tehmurasp Shawaksha Pardiwala
- "Rigveda"